فائنل توضیح تلویح

مدرس:: مولانا فضل داد مدنی دامت برکاتہم العالیہ

🌹 🖋️ محمد صائم عطاری 🖋️ 🌹

درجہ سابعہ

مرکزی جامعۃ المدینہ گجرات

عرض کاتب!!!

اس فائل میں آپ کو کنزالمدارس بورڈ میں شامل توضیح و تلویح کے 80 فیصد نصاب کے سوالاجوابانوٹس مل جائیں گے۔۔۔۔۔

اگر آپ مندرجہ ذیل کتب کے ہمارے لکھے نوٹس چاہتے ہیں تو نیچے دیئے گئے نمبر پہ رابطہ کریں۔۔۔۔۔

(1)شرح وقایہ((کتاب الجہاد))(2)حامی((باب القیاس))(3)تیسیر مصطلح الحدیث(4)القصائد المنتخبہ(5)فقہ السیرہ(6)منہاج العابدین مکمل(7)تفسیر بیضاوی((ششماہی اول وثانی))(8)ہدایہ جلد اول ودوم(9)النور المبین مکمل(10)فتح المنان(11) مناظرہ رشیدیہ(12)اجابۃ الغوث(13)اصول الدعوہ والارشاد(14)الفقہ الاکبر مکمل (15)العربیہ للطالبین المستوی الرابع(16)شرح نخبۃ الفکر(17)موطا امام مالک(18) ہدایہ جلد سوم وچہارم(19)میزان الادیان(20)شرح عقائد نسفیہ ششماہی اول(21)شرح عقائد نسفیہ ششماہی دوم(22)شرح معانی الآثار(23)اصول وراثت(24)السراجی(25)تحقیق وتدوین کا طریقہ کار(26)موطا امام محمد

03238599095

🌹🖋️ محمد صائم عطاری 🖋️🌹

درجہ سابعہ

مرکزی جامعۃ المدینہ گجرات

سوال::: مصنف نے اپنی کتاب کا آغاز تسمیہ اور تحمید سے کیوں کیا؟؟؟

جواب::: مصنف نے قرآن پاک کی اقتداء کرنے اور حدیث پاک پہ عمل کرنے کی وجہ سے اپنی کتاب کا آغاز تسمیہ اور تحمید سے کیا،، چنانچہ اللہ پاک کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے ""کوئی بھی کام جس کی ابتداء بسم اللہ سے نہ کی جائے وہ نامکمل رہ جاتا ہے"" ایک اور حدیث میں ہے کہ ""کوئی بھی کام جس کی ابتداء تحمید سے نہ کی جائے وہ ادھورا رہ جاتا ہے""-----

مذکورہ بالا دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ابتداء کی دو اقسام ہیں:::

(1) ابتدائے حقیقی

جہاں سے کسی کام کو شروع کیا جائے اسے ابتدائے حقیقی کہتے ہیں اور بسم اللہ والی حدیث ابتدائے حقیقی پہ محمول ہے-----

(2) ابتدائے اضافی

جو مقصود پہ مقدم ہو اسے ابتدائے اضافی کہتے ہیں، تحمید والی حدیث ابتدائے اضافی پہ محمول ہے-----

سوال::: مصنف نے تسمیہ اور حمد کے درمیان حرف عطف کا ذکر کیوں نہیں کیا؟؟؟

جواب::: مصنف کا مقصود تھا کہ تسمیہ اور حمد دونوں کے ذریعے کتاب شروع کی جائے،، معطوف چونکہ معطوف علیہ کا تابع ہوتا ہے اور تابع مقصود بالذات نہیں ہوتا اگر دونوں کے درمیان حرف عطف ذکر کر دیتے تو اس سے وہم یہ پیدا ہوتا کہ تسمیہ مقصود بالذات ہے حمد مقصود بالذات نہیں ہے تو اس وہم سے بچنے کے لیے حرف عطف کا ذکر نہیں کیا-----

سوال::: مصنف کی عبارت ""حامداللہ تعالیٰ اولاوثانیا"" میں اولا اور ثانیا سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب::: اس میں تین احتمالات ہیں:::

(1) اولا سے مراد دنیا اور ثانیا سے مراد آخرت ہے----

(2) اولاوثانیا کا مطلب ہے کتاب کی ابتداء وانتہاء میں اللہ پاک کی حمد کرنا-----

(3)اولاً سے مراد ہے نعمت کے مقابلے میں حمد کرنا اور ثانیاً سے مراد ہے بغیر کسی نعمت کے حمد کرنا۔۔۔

سوال::: مصنف کی عبارت میں لفظ""ثانیا"" دو دفعہ ذکر ہوا ہے،، کیا دونوں کا ایک ہی معنی ہے؟؟؟

جواب::: جی نہیں،، دوسرا ثانیا""ثناء"" سے مشتق ہے دونوں کا ایک معنی نہیں ہے،، یہاں مصنف نے صنعت تجنیس کا استعمال کیا ہے،، صنعت تجنیس یہ ہے کہ دو الفاظ تلفظ میں مشابہت رکھتے ہوں لیکن معنی میں مختلف ہوں۔۔۔۔

سوال::: مصنف نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ درود بھیجتے ہوئے کہا""وعلی افضل رسلہ""یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صراحتاً نام کیوں نہیں لیا؟؟؟

جواب::: چونکہ رسولوں میں سب سے افضل پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں اس لیے مصنف نے نام مبارک ذکر کرنے کی بجائے محض خاصہ پہ ہی اکتفاء کر لیا۔۔۔

سوال::: ""مجلیا و مصلیا"" کا لغوی مطلب بیان کریں نیز یہ بتائیں کہ یہ کس چیز سے کنایہ ہیں؟؟؟

جواب::: دوڑ میں پہلے نمبر پہ آنے والے گھوڑے کو مجلیا کہا جاتا ہے اور دوسرے نمبر والے گھوڑے کو مصلیا کہا جاتا ہے۔۔۔

یہ کثرت اور تکرار کے ساتھ درود و سلام بھیجنے سے کنایہ ہیں یعنی مصنف کثرت اور تکرار کے ساتھ اللہ کے حبیب اور ان کی آل پہ درود و سلام بھیجتے ہیں۔۔۔۔

سوال::: عبارت""فان العبد المتوسل الی اللہ باقوی الذریعۃ"" میں اقوی الذریعۃ سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب::: اقوی الذریعۃ میں دو احتمالات ہیں:::

(1)اللہ پاک کی رحمت

(2)حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ

سوال::: عبارت""سعد جدہ وانجح جدہ"" میں دو دفعہ لفظ""جد"" آیا ہے کیا دونوں کا ایک ہی معنی ہے؟؟؟

جواب::: جی نہیں،، پہلے جد کا معنی ہے ""دادا"" اور دوسرے جد کا معنی ہے ""کوشش کرنا""۔۔۔۔

یہاں صنعت تجنیس کا استعمال کیا گیا ہے۔۔۔۔

سوال::: ""لما وفقنی اللہ بتالیف"" اس عبارت میں مصنف ""وفقنی"" کا صلہ باء کے ساتھ کیوں لائے ؟؟؟ حالانکہ اس کا صلہ لام کے ساتھ آتا ہے۔۔۔۔

جواب::: یہاں دو احتمال ہیں:::

(1) مصنف سے تسامح ہوا ہے۔۔۔۔

(2) یہاں وفقنی ""شرفنی"" کے معنی میں ہے اور اس کا صلہ باء کے ساتھ آسکتا ہے۔۔۔۔

سوال::: مصنف نے ""توضیح"" کیوں لکھی؟؟؟

جواب::: مصنف فرماتے ہیں کہ جب میں تنقیح الاصول لکھ کر فارغ ہو گیا تو بعض مقامات مشکل اور پیچیدہ تھے لہذا میں نے ان کی شرح کرنے کے لیے توضیح لکھ دی۔۔۔۔

سوال::: مصنف نے توضیح کی کیا خصوصیات بیان کی ہیں؟؟؟

جواب::: مصنف نے توضیح کی چھ خصوصیات بیان کی ہیں:::

(1) توضیح میں طوالت سے اجتناب کیا گیا،، تنقیح کے جو مقامات واضح تھے توضیح میں ان کی وضاحت نہیں کی۔۔۔۔

(2) مصنف جب تنقیح لکھ کر فارغ ہوئے تو لوگوں نے اس نسخے کو بہت جلد کاپی کر لیا اور یوں وہ مختلف شہروں میں پھیل گیا لیکن مصنف جب توضیح لکھنے لگے تو انہوں نے ضرورت کے تحت تنقیح میں ردو بدل کیا اور اسی کے مطابق توضیح لکھی،، یعنی توضیح میں آنے والا تنقیح کا متن سب سے درست نسخہ ہے۔۔۔۔

(3) تعریفات و دلائل کو منطقی قواعد کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔۔۔۔

(4) اصول ذکر کرنے کے بعد تفریعات ذکر کی گئیں تاکہ اصول آسانی سے سمجھ آجائیں۔۔۔۔

(5) اس کتاب کی ترتیب ایسی عمدہ ہے کہ اس سے پہلے ایسی ترتیب کبھی کسی نے اختیار نہیں کی۔۔۔۔۔

(6) اس کے اندر ایسے ایسے نکات بیان کیے گئے ہیں جن تک علمِ اصول فقہ کے شہسوار نہ پہنچ سکے۔۔۔۔۔

اعتراض::: ""الیہ یصعد الکلم الطیب"" میں اضمار قبل الذکر لازم آرہا ہے جو کہ درست نہیں۔۔۔

جواب::: یہاں اضمار قبل الذکر لازم نہیں آرہا کیونکہ اس ضمیر کا مرجع یعنی اللہ عزوجل کی ذات کا ذکر مؤمنین کے ذہن میں موجود ہے،، پس ذہن میں موجود چیز کو حکما مرجع بنادیا گیا۔۔۔۔

اس کی قرآن کریم میں کئی مثالیں ہیں مثلا::: ""انہ لقرآن کریم""۔۔۔۔۔

اعتراض::: ""الکلم الطیب"" میں لفظ ""الکلم"" غیر عاقل کی جمع مکسر ہے اور اس کی صفت واحد مؤنث یا جمع مؤنث آتی ہے جبکہ یہاں اس کی صفت واحد مذکر لائی گئی ہے۔۔۔

جواب::: اس کے دو جوابات ہیں:::

(1) الکلم اسم جمع نہیں بلکہ اسم جنس ہے اور اسم جنس کی صفت مذکر یا مونث دونوں طرح لائی جاسکتی ہے۔۔۔۔

(2) اگر ہم الکلم کو جمع مان لیں تو وہ جمع جس کے واحد و جمع میں گول ۃ کے ذریعے فرق کیا جاتا ہے اس کی صفت مذکر یا مونث دونوں طرح لائی جاسکتی ہے،، چونکہ الکلم کی واحد ""الکلمۃ"" ہے اس لیے الکلم کی صفت ""طیب"" لانا درست ہے۔۔۔

جیسا کہ لفظ ""نخل"" جمع ہے اور اس کی واحد ""نخلۃ"" آتی ہے تو اس کی صفت مذکر و مؤنث دونوں طرح لائی جاسکتی ہے مثلا::: نخل خاویۃ،، نخل منقعر۔۔۔

سوال::: ""الکلم الطیب"" سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب::: مصنف نے آگے ""من بیانیہ"" لاکر بیان کیا کہ الکلم سے مراد اللہ عزوجل کی محامد ہیں۔۔۔

سوال::: ""لأصولھا من مشارع الشرع ماء"" اس عبارت میں بلاغت کی کون سی اصطلاح استعمال ہوئی ہے؟؟؟ وضاحت کریں۔۔۔

جواب::: اس عبارت میں استعارہ ترشیحیہ استعمال ہوا ہے،، استعارہ ترشیحیہ یہ ہوتا ہے کہ مشبہ بہ کے لوازمات میں کسی لازم کو ذکر کردیا جائے۔۔۔

اس عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا:::

محامد کے باغ کے لیے شریعت کی گھاٹیوں سے پانی ہے۔۔۔۔

یہاں ""اصول"" سے باغ مراد لیا اور چونکہ باغ کی بڑھوتری کے لیے پانی کا ہونا لازم ہے اس لیے باغ کے بعد پانی کا ذکر کر دیا اور یوں استعارہ تشریحیہ ثابت ہو گیا۔۔۔۔

سوال::: ""ولفروعها من قبول القبول نماء"" اس عبارت میں بلاغت کی کون سی اصطلاح استعمال ہوئی ہے وضاحت کے ساتھ بیان کریں۔۔۔۔

جواب::: اس عبارت میں استعارہ مرشحہ کا استعمال کیا گیا ہے،، مشبہ بہ کے مناسبات میں سے کسی کو ذکر کرنا استعارہ مرشحہ کہلاتا ہے۔۔۔۔

اس عبارت کا ترجمہ یوں ہوگا:::

اور اس کی فروع کے لیے قبولیت کی باد صباء سے بڑھوتری ہے۔۔۔۔

یہاں مصنف نے فروع یعنی درخت کی شاخوں کا ذکر کیا اور چونکہ باد صباء کی وجہ سے درخت کی شاخیں بڑی ہوتی ہیں یعنی باد صباء درخت کی شاخوں کے مناسبات میں سے ہے لہذا مشبہ بہ کا مناسب ذکر کر کے استعارہ مرشحہ ثابت کر دیا گیا۔۔۔۔۔

سوال::: ""ولفروعها من قبول القبول نماء"" عبارت میں دو دفعہ لفظ قبول آیا ہے کیا دونوں کا ایک ہی معنی ہے؟؟؟

جواب::: جی نہیں،، بلکہ پہلے قبول سے مراد باد صباء ہے اور دوسرا قبول اسی قبولیت والے معنی میں مستعمل ہے جو ہم عام طور پر مراد لیتے ہیں۔۔۔۔۔

سوال::: اصول الشریعہ اور ممھدۃ المبانی سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب::: اصول الشریعہ سے مراد ادلہ اربعہ ہیں ((قرآن وسنت، اجماع اور قیاس))۔۔۔۔

ممھدۃ المبانی کا لغوی مطلب ہے ""درست بنیاد"" اس سے مراد علم الکلام یا علم العقائد ہے۔۔۔۔

سوال::: علم فقہ، علم اصول فقہ اور علم الکلام کی افضلیت کے اعتبار سے کیا ترتیب ہے؟؟؟

جواب::: علم اصول فقہ کا مرتبہ فقہ سے زیادہ ہے کیونکہ فقہ میں احکام جزئیہ کے بارے میں بحث کی جاتی ہے اور اصول فقہ میں ادلہ کلیہ کے بارے میں بحث کی جاتی ہے،، ادلہ کلیہ کی وجہ سے ہمیں احکام جزئیہ کی معرفت حاصل ہوتی لہذا اصول فقہ کا مرتبہ فقہ سے زیادہ ہے۔۔۔

علم الکلام کا رتبہ علم اصول فقہ سے زیادہ ہے کیونکہ ادلہ کلیہ کی معرفت اللہ پاک کی ذات وصفات کی معرفت پہ موقوف ہے اور علم الکلام میں اللہ پاک کی ذات وصفات کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔۔۔

سوال::: رقیقۃ الحواشی اور دقیقۃ المعانی سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب::: رقیقۃ الحواشی کا مطلب ہے ""باریک اطراف والا"" اس سے مراد دلالات اربعہ ((عبارۃ النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص)) ہیں۔۔۔

دقیقۃ المعانی کا مطلب ہے ""مشکل علتیں""۔۔۔۔

سوال::: اللہ عزوجل نے کتنے ارکان پہ احکامات کی بنیاد رکھی اور کن کے ذریعے احکامات کو پختہ کیا؟؟؟

جواب::: اللہ عزوجل نے چار ارکان پہ احکامات کی بنیاد رکھی اور آیات محکمات کے ذریعے احکامات کو پختہ کیا۔۔۔

سوال::: آیات میتشابہات کا علم کسے حاصل ہے؟؟؟

جواب::: اس مسئلہ میں احناف اور شوافع کا اختلاف ہے۔۔۔

شوافع کا مؤقف اور دلیل::: شوافع کے نزدیک آیات میتشابہات کا علم اللہ عزوجل اور راسخین فی العلم کو حاصل ہے کیونکہ اللہ پاک کا فرمان ہے:::

مَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ

((شوافع کے نزدیک اس آیت میں لفظ ""اللہ اور والراسخون فی العلم"" میں وقف لازم نہیں ہے لہذا وہ ""والراسخون"" کا عطف ""اللہ"" پہ کرتے ہیں۔۔۔

احناف کا مؤقف اور دلیل::: احناف کے نزدیک یہ علم صرف اللہ عزوجل کو حاصل ہے اور ہماری دلیل بھی یہی آیت ہے لیکن ہمارے نزدیک ""الا اللہ"" کے بعد وقف لازم ہے اگلے جملے کا اس پہ عطف نہیں ہو رہا۔۔۔

سوال::: اگر((احناف کے مطابق)) آیات متشابہات کا علم صرف اللہ کو ہے تو پھر ان آیات کو نازل کرنے کا کیا مقصد ہے؟؟؟

جواب::: ان آیات کو نازل کرنے کا مقصد علمائے راسخین کو آزمانا ہے کیونکہ ان کی یہ خواہش ہے کہ قرآن کریم کی ہر ہر آیت پہ غور وخوض کریں لیکن اللہ پاک نے آیات متشابہات میں غور وفکر کرنے سے منع کر دیا تو جب انسان کو اس کی پسندیدہ چیز سے منع کر دیا جائے تو اسے آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو یوں اللہ پاک نے آیات متشابہات کو نازل کر کے علمائے راسخین کو آزمایا۔۔۔۔

سوال::: منصۃ العروس کا کیا مطلب ہے؟؟؟

جواب::: وہ جگہ جس پہ دلہن بیٹھتی ہے تاکہ لوگ اسے دیکھیں ""منصۃ العروس"" کہلاتا ہے۔۔۔

سوال::: مصنف نے متفکرین کے افکار کا جلوہ گاہ کسے قرار دیا ہے؟؟؟

جواب::: مصنف نے نصوص کو متفکرین کے افکار کے لیے جلوہ گاہ قرار دیا ہے۔۔۔۔

سوال::: مصنف نے کس اعتبار سے نصوص کو مجتہدین کے افکار کا جلوہ گاہ قرار دیا ہے؟؟؟

جواب::: مجتہدین نصوص میں غور وفکر کرتے ہیں اس کے معانی پہ مطلع ہوتے ہیں اور اس سے احکامات نکالتے ہیں،، اس اعتبار سے مصنف نے نصوص کو مجتہدین کے افکار کا جلوہ گاہ قرار دیا ہے۔۔۔۔

سوال::: متن کی عبارت ""فصل خطاب"" سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب::: یہ اصل میں ""الخطاب الفاصل"" تھا متن میں موجود یہ عبارت اضافۃ الصفت الی الموصوف کی قبیل سے ہے۔۔۔

الخطاب الفاصل کا مطلب ہے حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والا خطاب۔۔۔۔

سوال::: عبارت ""مارفع اعلام الدین باجماع المجتہدین"" سے مصنف کس طرف اشارہ کر رہے ہیں؟؟؟

جواب::: اس سے مصنف اجماع کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔۔۔

سوال::: مندرجہ ذیل عبارت کی وضاحت کریں۔۔۔

ووضع معالم العلم علی مسالک المعتبرین

جواب::: معالم العلم سے مراد وہ علتیں ہیں جن کے ذریعے قیاس کرنے والا مقیس کے حکم کو معلوم کرتا ہے،، معتبرین سے مراد قیاس کرنے والے ہیں،، مسالک سے مراد وہ راستے ہیں جن پہ چل کر قیاسی احکام ثابت کیے جاتے ہیں ان راستوں کی ابتداء قرآن کریم کے الفاظ سے ہوتی ہے تو قیاس کرنے والا سب سے پہلے ان الفاظ کے لغوی اور ظاہری معانی میں غور وخوض کرتا ہے اور ان کی مدد سے وہ شرعی اور باطنی معانی تک پہنچ جاتا ہے اور پھر باطنی وشرعی معانی میں ایسی علامات پائی جاتی ہیں جن کے ذریعے قیاس کرنے والا اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا ہے۔۔۔۔

سوال::: مصنف نے تنقیح الاصول کا متن لکھنے کے لیے کس کتاب کا انتخاب کیا اور کیوں کیا؟؟؟

جواب::: مصنف نے فخر الاسلام علی بزدوی کی کتاب ""اصول فقہ"" کا انتخاب کیا،، اصول فقہ نامی کتاب کی بہت زیادہ اہمیت تھی اور اس کے دلائل پختہ تھے اس لیے اپنا متن لکھنے میں اس کتاب سے مدد لی،، ""اصول فقہ"" اگرچہ بڑی عمدہ کتاب تھی لیکن اس کے اسرار ورموز چھپے ہوئے تھے اور پیچیدگیاں پائی جاتی تھیں اور لوگ اس کتاب پہ طعن کرتے تھے اس لیے مصنف نے اپنے متن میں اس کتاب کے اسرار ورموز کو واضح کیا۔۔۔۔

سوال::: مصنف کے متن ""تنقیح الاصول"" کی کیا خصوصیات ہیں؟؟؟

جواب::: مصنف نے اپنا متن فخر الاسلام کی کتاب ""اصول فقہ"" سے لیا تھا لیکن اصول فقہ میں پیچیدگیاں تھیں مصنف نے اپنے متن میں ان کو دور کیا،، اصول فقہ کے مضامین کو جمع کیا،، تعریفات میں منطقی قواعد کا لحاظ رکھا،، اصول فقہ کے ساتھ ساتھ امام رازی کی کتاب ""المحصول"" اور ابن حاجب کی کتاب ""الاصول"" کا خلاصہ بھی پیش کیا،، ضبط واختصار کو مدنظر رکھا،، اس جیسی تحقیقات دوسرے متون میں نہیں پائی جاتیں۔۔۔۔

سوال::: عبارت ""اصول فقہ"" کی ترکیب میں کتنے اور کون سے احتمالات ہیں؟؟؟

جواب::: اس میں دو احتمالات ہیں:::

(1)""اصول فقہ""خبر بنے گی اور اس کا مبتداء محذوف""ھذہ""نکالا جائے گا،،اصل عبارت یوں ہو گی ""ھذہ اصول فقہ""-----

(2)""اصول فقہ""مبتداء بنے گا اور اس کی خبر محذوف نکالی جائے گی،،اصل عبارت یوں ہو گی""اصول فقہ ماھی""-----

سوال::: مصنف نے اصول فقہ کی تعریف کتنے اعتبار سے کی ہے؟؟؟

جواب::: مصنف نے دو اعتبار سے اصول فقہ کی تعریف کی ہے:::

(1)حد اضافی،،یعنی لفظ""اصول""کی تعریف علیحدہ سے کی ہے اور لفظ""فقہ""کی تعریف علیحدہ سے کی ہے اسی کو حد اضافی کہتے ہیں((یعنی مضاف اور مضاف الیہ کی الگ الگ تعریف کرنا))-----

(2)حد لقبی،،مضاف اور مضاف الیہ کی تعریف ایک ساتھ کرنا حد لقبی کہلاتا ہے،،اس میں مصنف نے""اصول فقہ""کی اکٹھی تعریف کی ہے-----

سوال::: اصل کسے کہتے ہیں؟؟؟

جواب::: جس پہ کسی غیر کی بنیاد رکھی جائے اسے اصل کہتے ہیں----

سوال::: ابتناء کی کتنی اور کون سی اقسام ہیں؟؟؟

جواب::: ابتناء کی دو اقسام ہیں:::

(1)ابتناء حسی

جہاں مبنی اور مبنی علیہ کا ادراک حواس ظاہرہ سے ہو اسے ابتناء حسی کہا جاتا ہے مثلا:::چھت کی بناء دیوار پہ ہے اور یہ بات ہمیں مشاہدہ کے ذریعے معلوم ہوئی لہذا یہ ابتناء حسی ہے-----

(2)ابتناء عقلی

جہاں مبنی اور مبنی علیہ کا ادراک عقل سے ہو اسے ابتناء عقلی کہا جاتا ہے مثلا::: حکم دلیل سے ثابت ہوتا ہے یعنی حکم کی بناء دلیل پہ ہوتی ہے لیکن ان دونوں چیزوں کا ادراک ہم حس کے ذریعے نہیں کر سکتے بلکہ عقل کے ذریعے کرتے ہیں لہذا یہ ابتناء حسی ہے۔۔۔۔

سوال::: تعریف کی کتنی اور کون سی اقسام ہیں؟؟؟ نیز تعریف کے لیے کیا چیز شرط ہے؟؟؟

جواب::: تعریف کی دو اقسام ہیں:::

(1) حقیقی

ماہیت حقیقیہ کی تعریف کرنا تعریف حقیقی کہلاتا ہے مثلا::: انسان ناطق ہے۔۔۔

(2) اسمی

ماہیت اعتباریہ کی تعریف کرنا تعریف اسمی کہلاتا ہے۔۔۔

تعریف کے لیے یہ چیز شرط ہے کہ وہ اپنے تمام افراد کو جامع ہو اور دخول غیر سے مانع ہو۔۔۔

سوال::: علل اربعہ اور شرط کی وضاحت کریں۔۔۔

جواب::: علل اربعہ چار ہیں جیسا کہ نام سے واضح ہے:::

(1) علت فاعلی

معلول کے بنانے والے کو ""علت فاعلی"" کہا جاتا ہے مثلا::: لکڑی کے صندوق کے لیے بڑھئی علت فاعلی ہے۔۔۔

(2) علت مادی

جس چیز کے ذریعے معلول کو بنایا جائے اسے علت مادی کہتے ہیں مثلا::: صندوق کے لیے لکڑی کے ٹکڑے علت مادی ہیں۔۔۔

(3) علت صوری

صندوق کی ایک مخصوص صورت علت صوری ہے۔۔۔

(4)علت غائی

جس کے لیے معلول کو وجود میں لایا جائے اسے علت غائی کہتے ہیں مثلا صندوق اس لیے بنایا گیا کہ اس میں چیزیں رکھی جائیں گی،، یہاں چیزیں صندوق کے وجود کے لیے علت غائی کی حیثیت رکھتی ہیں۔۔۔

شرط کی تعریف::: شرط اس خارجی امر کو کہا جاتا ہے جس پہ کسی چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ خارجی امر اس چیز میں مؤثر نہ ہو۔۔۔

مثلا:::طہارت نماز کے لیے شرط ہے۔۔۔

سوال::: کیا""اصل""کی تعریف""محتاج الیہ""سے کرنا درست ہے؟؟؟

جواب::: یہ تعریف امام رازی نے کی ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ یہ دخول غیر سے مانع نہیں۔۔۔

اصل کا اطلاق صرف""علت مادی""پہ ہوتا ہے جبکہ اگر اس کی تعریف""محتاج الیہ""کے ساتھ کی جائے تو اس کا اطلاق علت فاعلی، علت غائی، علت صوری اور شرط پہ ہو گا یعنی اگر اصل کی تعریف محتاج الیہ کے ساتھ کریں گے تو اصل میں وہ چیزیں بھی شامل ہو جائیں گی جن کا اصل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں پس یہ تعریف درست نہیں کیونکہ یہ دخول غیر سے مانع نہیں۔۔۔۔

سوال::: امام اعظم نے فقہ کی کیا تعریف فرمائی ہے؟؟؟

جواب::: امام اعظم کے نزدیک فقہ کی تعریف یہ ہے:::

معرفۃ النفس مالھا وماعلیھا

ترجمہ::: نفس کا""مالھا وماعلیھا""کو جاننا فقہ کہلاتا ہے۔۔۔

سوال::: معرفت کسے کہتے ہیں؟؟؟

جواب::: جزئیات کو دلیل کے ذریعے جاننا معرفت کہلاتا ہے،، اس سے تقلید خارج ہو گئی کیونکہ تقلید میں جزئیات کو مجتہد کے اقوال کے ذریعے جانا جاتا ہے نہ کہ دلیل سے۔۔۔

سوال::: مکلف انسان سے صادر ہونے والے افعال کی کتنی اور کون سی اقسام ہیں؟؟؟

جواب::: بنیادی طور پر مکلف انسان سے چھ طرح کے افعال صادر ہوتے ہیں:::

(1)واجب

(2)مندوب

(3)مباح

(4)مکروہ تنزیہی

(5)مکروہ تحریمی

(6)حرام

اب ان میں سے ہر ایک کی دو دو جہتیں ہیں::: جانب ترک اور جانب فعل،، تو اب یہ کل بارہ قسم کے افعال بن گئے::: فعل واجب، ترک واجب، فعل مندوب، ترک مندوب، فعل مباح، ترک مباح، فعل مکروہ تنزیہی، ترک مکروہ تنزیہی، فعل مکروہ تحریمی، ترک مکروہ تحریمی، فعل حرام، ترک حرام۔۔۔

یعنی انسان سے بارہ قسم کے افعال صادر ہوتے ہیں۔۔۔

سوال::: امام اعظم کے قول ""مالھا وما علیھا"" میں کتنے معانی کا احتمال ہے؟؟؟

جواب::: اس میں تین معانی کا احتمال ہے اور پہلے معنی میں مزید آگے تین احتمالات نکلتے ہیں۔۔۔

سوال::: پہلے معنی کی تفصیلا وضاحت کریں۔۔۔

جواب::: امام اعظم کے قول ""مالا وما علیھا"" کا پہلا معنی یہ ہے کہ مالھا سے مراد وہ چیزیں ہیں جو نفس کے لیے فائدہ مند ہیں اور ما علیھا سے مراد وہ چیزیں ہیں جو نفس کے لیے نقصان دہ ہیں۔۔

اب اس پہلے معنی میں مزید تین احتمالات پیدا ہوتے ہیں:::

(1)پہلا احتمال یہ ہے کہ نفع سے مراد ثواب ہے اور ضرر سے مراد عذاب کا ہونا ہے،، اس معنی کے اعتبار سے مکلف کے پانچ قسم کے افعال فقہ کی تعریف میں شامل ہوں گے وہ اس طرح کہ فعل

واجب اور فعل مندوب ""مالھا میں شامل ہوں گے کیونکہ ان پہ ثواب ملتا ہے اور ترک واجب، فعل حرام اور فعل مکروہ تحریمی ""ماعلیہا"" میں داخل ہوں گے کیونکہ ان پہ گناہ ملتا ہے،،بقیہ سات اقسام پہ نہ ثواب ہے اور نہ گناہ لہذا وہ خارج ہوجائیں گی۔۔۔

(2) دوسرا احتمال یہ ہے کہ نفع سے مراد عذاب کا نہ ہونا ہے اور نقصان سے مراد عذاب کا ہونا ہے،،اس احتمال کی بناء پر تمام افعال فقہ کی تعریف میں شامل ہوجائیں گے وہ اس طرح کہ ترک واجب، فعل حرام اور فعل مکروہ تحریمی ""ماعلیہا"" میں شامل ہوجائیں گے کیونکہ ان پہ عذاب ملتا ہے اور بقیہ ساری اقسام ""مالھا"" میں داخل ہوں گی کیونکہ ان کے کرنے پہ کوئی عذاب نہیں۔۔۔

(3) تیسرا احتمال یہ ہے کہ نفع سے مراد ثواب کا ہونا ہے اور نقصان سے مراد ثواب کا نہ ہونا ہے تو اس صورت میں بھی تمام قسم کے افعال فقہ کی تعریف میں شامل ہوں گے وہ اس طرح کہ فعل واجب اور فعل مندوب ""مالھا"" میں شامل ہوں گے کیونکہ ان دونوں پہ ثواب ملتا ہے اور بقیہ دس اقسام ہیں ""ماعلیہا"" میں شامل ہوں گی کیونکہ ان پہ کوئی ثواب نہیں۔۔۔

سوال::: ""مالھا وماعلیہا"" کے دوسرے اور تیسرے معنی کی وضاحت کریں۔۔۔

جواب:::

دوسرا معنی::: دوسرا معنی یہ ہے کہ ""مالھا"" سے مراد ""ما یجوز لھا"" ہے اور ""ماعلیہا"" سے مراد ""ما یجب علیہا"" ہے،،اس معنی کے اعتبار سے فعل واجب، ترک حرام اور ترک مکروہ تحریمی ""ما یجب علیہا"" میں آجائیں گے اور ترک مندوب، فعل مندوب، ترک مکروہ تنزیہی، فعل مکروہ تنزیہی، فعل مباح اور ترک مباح ""ما یجوز لھا"" میں آجائیں گے اور بقیہ تین افعال ترک واجب، فعل مکروہ تحریمی اور فعل حرام فقہ کی تعریف خارج ہوجائیں گے۔۔۔۔

تیسرا معنی::: تیسرا معنی یہ ہے کہ ""مالھا"" سے مراد ""ما یجوز لھا"" ہے اور ""ماعلیہا"" سے مراد ""ما یحرم علیہا"" ہے،،اس معنی کے اعتبار سے افعال کی تمام اقسام فقہ کی تعریف میں داخل ہوجائیں گی۔۔۔۔

ضروری نوٹ!!!

مذکورہ بالا دونوں سوال انتہائی آسان ہیں محض ایک دفعہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔۔۔

سوال::: امام اعظم کی فقہ کی تعریف میں کون کون سے علوم شامل ہوتے ہیں؟؟؟

جواب::: امام اعظم کی تعریف کے مطابق ""مالھا وماعلیھا"" کی معرفت کو فقہ کہتے ہیں اور معرفت تین طریقوں سے حاصل ہوتی ہے:::

(1)اعتقادیات سے،، مثلا ایمان کا واجب ہونا وغیرہ اسے علم الکلام کہتے ہیں۔۔۔

(2)وجدانیات مثلا علم الاخلاق وغیرہ سے یہ معرفت حاصل ہوگی اور اسے علم التصوف کہتے ہیں۔۔۔۔

(3)یہ معرفت حاصل کرنے کا تیسرا ذریعہ عملیات مثلا نماز روزہ وغیرہ ہیں اور اسے علم فقہ کہتے ہیں۔۔۔۔

پس ثابت ہوا کہ امام اعظم کی تعریف میں تین علوم::: علم فقہ، علم الکلام اور علم التصوف شامل ہیں۔۔۔۔

اگر اس تعریف سے علم الکلام اور علم التصوف کو خارج کرنا ہو تو تعریف میں ""عملا"" کی قید لگا کر خارج کیا جا سکتا ہے لیکن امام اعظم نے یہ قید نہیں لگائی اور انہوں نے تینوں علوم::: علم فقہ، علم کلام، علم تصوف کو فقہ کی تعریف میں شامل کیا ہے۔۔۔۔

سوال::: امام شافعی کے نزدیک فقہ کی کیا تعریف ہے؟؟؟

جواب::: امام شافعی کے نزدیک فقہ کی تعریف:::

العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ من ادلتھا التفصیلیۃ

ترجمہ

تفصیلی دلائل کے ذریعے احکام شرعیہ عملیہ کو جاننا((فقہ کہلاتا ہے))۔۔۔۔

سوال::: امام شافعی کی تعریف میں احکام سے مراد کون سے دو معانی ہیں؟؟؟ نیز ان دونوں معانی کو مراد لینے سے کون سی چیز فقہ کی تعریف سے خارج ہوگی؟؟؟

جواب::: احکام میں دو احتمالات ہیں:::

(1) پہلا احتمال یہ ہے کہ حکم سے مراد ایک امر کی نسبت دوسری امر کی طرف کرنا ہے،، اسی کو تصدیق بھی کہتے ہیں۔۔۔۔

اگر پہلا معنی مراد ہو تو حکم کی قید لگانے سے اللہ عزوجل کی ذات وصفات کا علم خارج ہو جائے گا اور تصدیقات کا علم باقی رہ جائے گا لیکن احکام کے ساتھ چونکہ ""الشرعیہ"" کی قید بھی لگائی گئی ہے تو اس سے احکام عقلیہ اور حسیہ ((مثلا عالم حادث ہے،، آگ گرم ہے)) خارج ہو جائیں گے۔۔۔۔

(2) دوسرا احتمال یہ ہے کہ حکم سے مراد اللہ پاک کا خطاب ہے جو کہ مکلفین کے متعلق ہے۔۔۔۔

دوسرا معنی مراد لینے سے وہ علوم خارج ہو جائیں گے جن کا تعلق خطابِ باری تعالیٰ سے نہیں ہے،، اور پھر خطاب باری تعالیٰ میں کچھ وہ ہیں جو شریعت پہ موقوف ہوتے ہیں جبکہ کچھ وہ ہیں جو شریعت پہ موقوف نہیں ہوتے،، تو احکام کے ساتھ شرعیہ کی قید لگانے سے غیر شرعی احکامات خارج ہو جائیں گے۔۔۔۔۔

سوال::: امام شافعی کی فقہ کی تعریف میں ""علمیہ"" کی قید سے کون سے احکامات خارج ہوں گے؟؟؟

جواب::: شرعی احکام دو طرح کے ہوتے ہیں::: نظری اور عملی،، عملی کی قید لگانے سے نظری احکامات خارج ہو جائیں گے مثلا اس بات کا علم کہ اجماع حجت ہے۔۔۔۔

سوال::: فقہ کی تعریف میں ""من ادلتھا التفصیلیۃ"" کی قید لگانے سے کیا فائدہ حاصل ہوا؟؟؟

جواب::: ""من ادلتھا"" سے مراد ادلہ اربعہ ہیں،، اس قید سے تقلید خارج ہو جائے گی کیونکہ مقلد کا علم مجتہد کے اقوال سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ ادلہ اربعہ سے۔۔۔۔

""التفصیلیۃ"" سے وہ دلائل خارج ہو جائیں گے جن میں اجمال ہو تفصیل نہ ہو۔۔۔۔

سوال::: ابن حاجب نے امام شافعی کی فقہ کی تعریف میں ""استدلال"" کی قید بھی لگائی ہے کیا اس قید کی حاجت تھی؟؟؟

جواب::: ان کی اس قید کی حاجت نہیں تھی کیونکہ انہوں نے استدلال کی قید اس لیے لگائی تاکہ مقلد کے علم کو فقہ کی تعریف سے خارج کر سکیں جبکہ مقلد کا علم ""من ادلتھا"" کی قید سے خارج ہو چکا ہے----

سوال::: امام ابو الحسن اشعری حکم کی کیا تعریف فرماتے ہیں؟؟؟

جواب::: خطاب اللہ تعالیٰ المتعلق بأفعال المکلفین بالاقتضاء أو التخییر

ترجمہ::: اللہ پاک کا وہ خطاب جس کا اقتضاء یا تخییر اًمکلفین کے افعال کے ساتھ تعلق ہو----

سوال::: حکم کی تعریف کے فوائد و قیودات بیان کریں----

جواب::: ""خطاب اللہ"" کہنے سے اللہ پاک کے تمام خطابات شامل ہو گئے،،جب ""المتعلق بأفعال المکلفین"" کہا تو اس سے وہ تمام خطابات خارج ہو گئے جن کا تعلق مکلفین کے افعال کے ساتھ نہیں تھا مثلا واقعات وغیرہ،،جب ""بالاقتضاء أو التخییر"" کہا تو اس سے وہ تمام خطابات خارج ہو گئے جو ""واللہ خلقکم وما تعملون"" جیسے ہیں کیونکہ اقتضاء سے مراد طلب ہے اور تخییر سے مراد اباحت ہے تو ""واللہ خلقکم وما تعملون"" کا تعلق نہ طلب سے ہے اور نہ اباحت سے-----

سوال::: طلب کی کتنی اور کون سی صورتیں بنتی ہیں؟؟؟

جواب::: طلب کی چار صورتیں بنتی ہیں:::

(1) فعل کے کرنے کو تاکید کے ساتھ طلب کرنا،، اس کو واجب کہا جاتا ہے-----

(2) فعل کے کرنے کو تاکید کے ساتھ طلب نہ کرنا اس کو مستحب کہا جاتا ہے----

(3) فعل کے ترک کو تاکید سے طلب کرنا،، اس کو حرام کہا جاتا ہے-----

(4) فعل کے ترک کو تاکید سے طلب نہ کرنا اسے مکروہ کہا جاتا ہے-----

سوال::: خطاب کی کتنی انواع ہیں؟؟؟

جواب::: خطاب کی دو انواع ہیں:::

(1) تکلیفی

یہ وہ خطاب ہے جس کا تعلق مکلفین کے افعال کے ساتھ ہے اقتضاءً یا تخییراً۔۔۔

(2)وضعی

اس خطاب میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک چیز دوسری کے لیے سبب یا شرط ہے جیسا کہ دلوکِ شمس نماز کے لیے سبب ہے اور طہارت نماز کے لیے شرط ہے۔۔۔

سوال::: بعض لوگوں نے حکم کی تعریف میں ""وضع"" کی قید کا اضافہ کیا ہے،، کیا یہ اضافہ کرنا درست ہے؟؟؟

جواب::: جن لوگوں نے اضافہ کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ اگر اس کا اضافہ نہ کیا جائے تو اس میں محض خطاب تکلیفی داخل ہوگا خطاب وضعی داخل نہیں ہوگا لہذا وضع کی قید لگائی تا کہ حکم کی تعریف میں دونوں قسم کے خطابات شامل ہوجائیں۔۔۔۔

جو اس قید کے اضافے کو ضروری نہیں سمجھتے ان کا کہنا ہے کہ خطاب وضعی بھی خطاب تکلیفی کے تحت آجاتا ہے جیسا کہ دلوکِ شمس کی وجہ سے نماز واجب ہوگی تو یہاں وجوب مطلوب ہے اور وہ خطاب تکلیفی میں پایا جارہا ہے تو ثابت ہوا وضعی بھی اسی کے تحت آجاتا ہے۔۔۔

لیکن مصنف کے نزدیک قید لگانا زیادہ بہتر ہے کیونکہ دونوں خطابات کا مفہوم الگ الگ ہے،، اگر اتفاقاً کسی ایک جگہ وضعی خطاب تکلیفی خطاب کے تحت آجائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر ہر جگہ ہی دونوں اکٹھے پائے جائیں گے لہذا ""وضع"" کی قید لگانا بہتر ہے۔۔۔۔

سوال::: بعض متاخرین اشاعرہ حکم کی کیا تعریف کرتے ہیں نیز ان کی تعریف کی بناء پہ فقہ کی تعریف میں حکم سے کیا مراد ہوگی؟؟؟

جواب::: بعض اشاعرہ کہتے ہیں کہ ""خطاب اللہ تعالیٰ"" حکم شرعی ہے،، اس بناء پہ فقہ کی تعریف میں حکم کا مطلب ہوگا ""اسناد أمر الی أمر آخر""۔۔۔۔

سوال::: فقہاء حکم کا اطلاق کس چیز پہ کرتے ہیں؟؟؟

جواب::: جو چیز مجازی طور پر خطاب سے ثابت ہو فقہاء اس پہ حکم کا اطلاق کرتے ہیں مثلاً وجوب اور حرمت۔۔۔

سوال::: حکم مصدر ہے جبکہ ""ماثبت بالخطاب ""حاصل مصدر ہے تو مصدر کی تعریف حاصل مصدر سے کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟؟؟

جواب::: یہاں مصدر مبنی للمفعول ہے،، جس طرح خلق بول کر مخلوق کو مراد لیا جاتا ہے اسی طرح یہاں حکم بول کر محکوم کو مراد لیا ہے۔۔۔۔

اعتراض::: جب کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے تو حقیقی معنی کے ساتھ کی جاتی ہے جبکہ یہاں فقہاء نے مجازا حکم کا اطلاق ""ماثبت بالخطاب ""پہ کیا ہے۔۔۔

جواب::: یہ منقول اصطلاحی ہے،، منقول اصطلاحی وہ ہوتا ہے جسے اہل اصطلاح نے ایک معنی سے دوسرے معنی میں نقل کر لیا ہو،، حکم کو مجازی معنی میں اس قدر استعمال کیا گیا کہ یہ منقول اصطلاحی ہو گیا اور منقول اصطلاحی اصل میں حقیقت ہی ہوتا ہے،، لہذا یہ اعتراض لغو ہے۔۔۔۔

ضروری نوٹ!!! اب یہاں سے حکم کی تعریف پہ پانچ اعتراضات کیے جائیں گے اور ان کے جوابات دیئے جائیں گے۔۔۔۔

اعتراض::: یہاں حکم کی تعریف سے مراد حکم اصطلاحی کی تعریف کرنا تھا جبکہ وہ تعریف جو اشاعرہ نے کی ہے وہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ فقہاء نے حکم کی تعریف کی ہے کہ جو خطاب سے ثابت ہو جبکہ اشاعرہ نے ڈائریکٹ اللہ کے خطاب کو ہی حکم قرار دیا ہے جو کہ اللہ کی صفت ہے اور قدیم ہے۔۔۔۔

جواب::: اس کا جواب مصنف نے نہیں دیا البتہ بعض علماء نے یوں جواب دیا ہے کہ جس طرح فقہاء کی ""ماثبت بالخطاب ""سے مراد ما حکِم بہ ہے اسی طرح اشاعرہ کی خطاب اللہ سے مراد ""ما خوطِب بہ "" ہے اور اس کا تعلق مکلف کے ساتھ ہے لہذا اعتراض باطل ہے۔۔۔۔۔

اعتراض::: حکم کی تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ اس سے وہ احکامات خارج ہو جائیں گے جن کا تعلق بچے کے ساتھ ہے کیونکہ بچہ مکلف نہیں ہوتا۔۔۔۔

جواب::: اس اعتراض کا بعض علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ بچے کے احکام کا تعلق اصل میں ولی کے ساتھ ہے کیونکہ جب بچے پہ کوئی تاوان وغیرہ واجب ہو گا تو اس کی ادائیگی ولی کرے گا تو بچے کے احکامات کا تعلق در حقیقت ولی کے ساتھ ہوتا ہے اور ولی مکلف ہوتا ہے لہذا یہ تعریف جامع ہے۔۔۔۔

مصنف اس جواب کارد کرتے ہیں کہ بچے کے احکامات کا تعلق ولی کے ساتھ نہیں ہوتا مثلا اس کا اسلام لانا اور نماز پڑھنا وغیرہ یہ سب احکامات بچے سے تعلق رکھتے ہیں،،وہ احکامات جن کے بارے میں بظاہر لگتا ہے کہ ان کا تعلق ولی کے ساتھ ہے مثلا تاوان وغیرہ ان کا تعلق بھی اصل میں بچے کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ اولاوہ حکم بچے کے لیے ثابت ہوتا ہے اور پھر اس کے غیر مکلف ہونے کی وجہ سے وہ اس کے ولی کی طرف راجع ہوجاتا ہے۔۔۔۔

اب مصنف اس اعتراض کا جواب اپنی طرف سے دیتے ہیں کہ بہتر تھا تعریف میں مکلف کی جگہ عباد لکھ دیا جاتا۔۔۔

اعتراض::: حکم کی تعریف سے وہ احکامات خارج ہوجائیں گے جو خطاب اللہ کی بجائے قیاس سے ثابت ہوتے ہیں پس یہ تعریف جامع نہیں ہے۔۔۔

جواب::: یہ اعتراض تب ہوگا جب یہ کہا جائے کہ قیاس سے حکم ثابت ہوتا ہے،،قیاس سے حکم ثابت نہیں ہوتا بلکہ ظاہر ہوتا ہے یعنی قیاس حکم کو ثابت کرنے والا نہیں ہے بلکہ ظاہر کرنے والا ہے لہذا یہ اعتراض درست نہیں۔۔۔۔

اعتراض::: حکم کی تعریف میں افعال سے مراد وہ افعال ہیں جو جوارح یعنی جسمانی اعضاء سے ادا کیے جائیں،،اس تعریف سے وہ احکامات نکل جائیں گے جو ""آمنوا اور فاعتبروا"" جیسے الفاظ سے ثابت ہوتے ہیں کیونکہ ان کا تعلق جوارح کے افعال کے ساتھ نہیں بلکہ قلب کے افعال کے ساتھ ہے۔۔۔۔

جواب::: تعریف میں افعال سے مراد عام ہیں چاہے وہ جوارح والے افعال ہوں یا قلب والے،،لہذا اعتراض لغو ہے۔۔۔۔

اعتراض::: حکم کی تعریف ہے ""خطاب اللہ تعالی المتعلق بافعال المکلفین"" پس اس اعتبار سے فقہ کی تعریف یوں ہوگی ""العلم بخطابات اللہ تعالی المتعلقۃ بافعال المکلفین الشرعیۃ العملیۃ""،،فقہ کی اس تعریف میں عملیہ کی قید تکرار کے ساتھ آرہی ہے ایک دفعہ ""بافعال المکلفین"" کے ساتھ اور دوسری دفعہ خود لفظ ""العملیۃ"" سے عملیہ کی قید لگائی جارہی ہے۔۔۔

جواب::: ""العملیۃ"" سے مراد صرف وہ افعال ہیں جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہے لہذا یہ قید تکرار کے ساتھ نہیں آئی۔۔۔

سوال::: احکامات شرعیہ کسے کہتے ہیں؟؟؟

جواب::: احکامات شرعیہ وہ ہوتے ہیں جن کا شارع کے خطاب کے بغیر ادراک نہ ہو سکے۔۔۔۔

اعتراض::: شرعی احکامات کی مذکورہ بالا تعریف جامع نہیں ہے اس سے قیاسی احکام خارج ہو جائیں گے کیونکہ قیاسی احکام میں شارع کا خطاب واقع نہیں ہوتا۔۔۔۔

جواب::: اس تعریف میں خطاب عام ہے چاہے وہ عینِ حکم میں وارد ہو یا ایسی صورت میں وارد ہو جس کی طرف حکم محتاج ہو مثلاً قیاسی احکام

یعنی ثابت ہوا کہ اگرچہ شارع کا خطاب بلاواسطہ قیاسی احکامات میں واقع نہیں ہوتا لیکن بالواسطہ ضرور ہوتا ہے وہ اس طرح کہ مقیس کو جس مقیس علیہ پہ قیاس کیا جاتا ہے اس مقیس علیہ میں شارع کا خطاب واقع ہوا ہوتا ہے اگر مقیس علیہ میں شارع کا خطاب واقع نہ ہوتا تو مقیس میں کبھی بھی حکم ثابت نہ ہوتا۔۔۔۔

اعتراض::: کیا احکامات شرعیہ میں اچھے اور برے افعال شامل ہوں گے؟؟؟

جواب::: احناف اور معتزلہ کے نزدیک اچھے اور برے افعال مثلاً سچ بولنا، بخل کرنا وغیرہ احکامات شرعیہ میں شامل نہیں ہوں گے کیونکہ ان کا فقہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کا تعلق علم الاخلاق سے ہے۔۔۔۔

البتہ اشاعرہ کے نزدیک اچھے اور برے افعال بھی احکامات شرعیہ میں شامل ہوں گے لیکن ان کا افعال کو فقہی احکامات میں شامل کرنا درست نہیں کیونکہ ان چیزوں کو فقہ میں شمار نہیں کیا جاتا اور اس سے یہ اعتراض بھی لازم آئے گا کہ احکامات شرعیہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ،، پس اشاعرہ کی تعریف درست نہیں جبکہ احناف اور معتزلہ کی تعریف درست ہے۔۔۔۔۔

سوال::: امام رازی نے فقہ کی تعریف میں ""التی لایعلم کونھا من الدین ضرورۃ"" کی قید کیوں لگائی؟؟؟ نیز کیا مصنف ان کی اس قید سے متفق ہیں؟؟؟

جواب::: امام رازی کی لگائی گئی قید کے مطابق فقہ کی تعریف یوں ہوگی""فقہ ایسے احکامات کو جاننے کا نام ہے جو ضروریات دین میں سے نہ ہوں""،امام رازی کا کہنا ہے کہ ضروریات دین کا علم ہر بندے کو ہوتا ہے پس اگر یہ ضروریات دین والی قید نہ لگائی جائے تو پھر ہر وہ شخص فقیہ کہلائے گا جس کو ضروریات دین کا علم ہے پس اس قید سے وہ لوگ نکل جائیں گے جن کو محض ضروریات دین کا علم ہے۔۔۔۔

مصنف امام رازی کی اس قید سے متفق نہیں ان کا کہنا ہے کہ فقہ سے مراد چند ایک احکامات نہیں ہیں بلکہ بہت زیادہ احکامات ہیں پس وہ شخص جس کو کسی نامانوس باب مثلا کتاب الرہن کے سو مسائل یاد ہوں اسے بھی فقیہ نہیں کہا جائے گا تو پھر وہ شخص جسے محض ضروریات دین کا علم ہے وہ کیسے فقیہ کہلانے کا حقدار ہوگا؟؟؟لہذا امام رازی کا قید لگانا لغو ہے۔۔۔۔۔

سوال:: امام شافعی کی فقہ والی تعریف میں ""احکام"" سے مراد کل احکام ہیں یا بعض احکام؟؟؟

جواب::: یہاں سے نہ کل احکام مراد ہیں اور نہ بعض احکام کیونکہ دونوں صورتوں میں خرابی لازم آتی ہے۔۔۔۔۔

اگر یہاں سے کل احکام مراد لیے جائیں تو کسی بھی شخص کو فقیہ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ مسائل کی کوئی انتہا نہیں بلکہ آئے روز نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ہر ہر حکم کو اس لیے بھی مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ بڑے بڑے فقہاء نے کئی مسائل کے جواب میں کہا""لاادری""۔۔۔۔۔

اگر بعض احکام مراد لیے تو دو صورتیں ہوں گی یا تو بعض احکام متعین ہوں گے یا غیر متعین جبکہ دونوں صورتیں باطل ہیں ،،بعض متعین احکام کو مراد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ جب کل احکامات ہی مجہول ہیں تو ان کا بعض بھی مجہول ہے اور بعض غیر متعین احکامات کو بھی مراد نہیں لیا جاسکتا ورنہ ہر آدمی فقیہ کہلائے گا کیونکہ ہر کسی کو کچھ نہ کچھ مسائل کا علم ہوتا ہے۔۔۔۔

سوال::: کیا امام شافعی کی بیان کی گئی فقہ کی تعریف میں احکام کے علم سے ان کو جاننے کی صلاحیت ((یعنی استعداد))مراد ہوسکتی ہے؟؟؟

جواب::: استعداد کا مطلب ہے""کسی چیز کو جاننے کی صلاحیت ہونا""تعریف میں احکام کے علم سے ان کو جاننے کی صلاحیت ہرگز مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ استعداد کی دو اقسام ہیں:::

(1)استعداد بعید

(2)استعداد قریب

استعداد بعید کا مطلب ہے""اسباب بعیدہ کے ذریعے کسی چیز کو جاننا"""اور یہ اسباب بعیدہ فقیہ کے علاوہ دیگر لوگوں کو بھی حاصل ہوتے ہیں۔۔۔

استعداد قریب کا مطلب ہے""اسباب قریبہ کے ذریعے کسی چیز کو جاننا"""فقہ کے اسباب قریبہ کی مثال"""اصول فقہ"""ہیں،،یہاں سے ہم استعداد قریب کو بھی مراد نہیں لے سکتے جس کی وضاحت اگلے سوال میں آرہی ہے۔۔۔۔

سوال::: ابن حاجب فرماتے ہیں کہ یہاں احکام کے علم سے مراد استعداد قریب ہے((یعنی اسباب قریبہ مثلاً اجتہاد،اصول فقہ وغیرہ کے ذریعے احکامات کو جاننے کی صلاحیت ہونا فقہ کہلاتا ہے))،،مصنف نے ان کا کیا رد کیا ہے؟؟؟

جواب::: مصنف نے چار طرح سے ان کا رد کیا ہے:::

(1)اگر استعداد قریب سے یہ مراد ہے کہ اجتہاد کے ذریعے تمام احکامات کو جانا جاسکتا ہے تو یہ بات درست نہیں کیونکہ بعض احکامات ایسے بھی ہے جن کو امام اعظم جیسے فقہاء اجتہاد کے ذریعے ساری زندگی نہیں جان سکے۔۔۔

(2)اجتہاد میں خطا کا احتمال ہوتا ہے تو جب مجتہد خطا کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس میں استعداد نہیں۔۔۔۔

(3)بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہوتی تو مجتہد سبب قریب یعنی اجتہاد کے ذریعے ان کو کیسے جان سکتا ہے؟؟؟

(4)علم بول کر استعداد مراد لینا درست نہیں کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں پائی جاتی۔۔۔۔

سوال::: مصنف کے نزدیک فقہ کی کیا تعریف ہے؟؟؟

جواب::: مصنف فقہ کی تعریف یوں فرماتے ہیں::: فقہ ان احکامات شرعیہ عملیہ کو جاننے کا نام ہے جو وحی کے نازل ہونے کی وجہ سے ظاہر ہوگئے اور ان پہ اجماع منعقد ہوگیا اور اس کے ساتھ ساتھ ((فقیہ کے لیے)) استنباط صحیح کا ملکہ ہونا بھی ضروری ہے۔۔۔۔

سوال::: مصنف کی بیان کردہ تعریف کے فوائد وقیودات بیان کریں۔۔۔

جواب::: تعریف میں احکامات سے مراد وہ احکام ہیں جو مجتہد کے زمانے میں نازل ہوچکے ہوں صحابہ کرام اپنے زمانے کے بعد والے مسائل کو نہیں جانتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کو فقیہ کہا گیا۔۔۔۔

""قد ظہر نزول الوحی بھا"" ان احکامات کے ظاہر ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ اگر کوئی حکم نازل ہوچکا ہو لیکن فقیہ کے لیے وہ ظاہر نہ ہوا ہو یعنی فقیہ کو اس کا علم نہ ہو تب بھی ہم اسے فقیہ ہی کہیں گے اس سے فقیہ کا اسم زائل نہیں ہوگا۔۔۔

استنباط صحیح کی قید اس لیے لگائی کہ صحابہ کرام خود اہل عرب تھے لیکن پھر بھی ہر صحابی کو فقیہ نہیں کہا گیا بلکہ صرف انہی صحابہ کو فقیہ کہا گیا جن میں استنباط کا ملکہ تھا۔۔۔۔

مسائل اجماعیہ کو جاننے کی شرط نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کی نہیں ہے کیونکہ اس زمانے میں اجماع معدوم تھا۔۔۔

سوال::: کیا فقیہ کے لیے قیاسی مسائل کا جاننا ضروری ہے؟؟؟

جواب::: جی نہیں،، کیونکہ قیاسی مسائل کو اجتہاد کے ذریعے نکالا جاتا ہے جب اجتہاد کی شرط لگادی گئی تو قیاسی مسائل کی شرط لگانے کی حاجت نہ رہی ورنہ دور لازم آئے گا۔۔۔۔

اعتراض::: فقہ ایک ظنی چیز ہے جبکہ علم کا اطلاق قطعیات پہ ہوتا ہے پس فقہ کو علم کہنا درست نہیں۔۔۔۔

جواب::: اس کے مصنف نے تین جوابات دیئے ہیں:::

(1)تعریف میں جتنی قیودات لگائی گئیں یعنی وہ احکامات وحی کے نزول کی وجہ سے ظاہر ہوں اور ان پہ اجماع منعقد ہوچکاہو توان قیودات کے لگانے سے فقہ کا علم ظنی نہیں رہابلکہ قطعی بن گیالہذا اس پہ علم کااطلاق درست ہے۔۔۔۔

(2)چلو ہم مان لیتے ہیں کہ فقہ ایک ظنی چیز ہے لیکن علم کااطلاق کبھی کبھی ظنی چیزوں پہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ ""علم طب وغیرہ""لہذافقہ پہ بھی علم کااطلاق ہوسکتاہے۔۔۔۔

(3)جب شارع نے احکامات میں مجتہد کے ظن غالب کااعتبار کیا تو گویا کہ ((شارع نے))یوں کہ دیا کہ جو حکم مجتہد کے ظن غالب سے ثابت ہوگا وہ قطعی ہوگا تو اس اعتبار سے فقہ کے سارے احکامات قطعی ہوئے لہذایہ اعتراض درست نہیں۔۔۔۔

ضروری نوٹ::: تیسرا جواب ان علماء کے مذہب کے مطابق درست ماناجائے گاجن کے نزدیک مجتہد غلطی سے پاک ہے جبکہ وہ علماء جو مجتہد سے خطاکے واقع ہونے کو مانتے ہیں ان کے نزدیک یہ جواب درست نہیں،،ان کے نزدیک شارع کے قول کامطلب یہ ہوگا کہ جو حکم مجتہد کے ظن غالب سے ثابت ہو اس پہ عمل کرناواجب ہے یاوہ حکم دلیل کی طرف نظر کرتے ہوئے ثابت ہوجائے گا۔۔۔۔۔

سوال::: اصول فقہ کتنے اور کون سے ہیں؟؟؟

جواب::: اصول فقہ چار ہیں:::

(1)کتاب

(2)سنت

(3)اجماع

(4)قیاس

سوال::: ماتن نے چاروں اصول فقہ میں سے قیاس کو ""فرع""کیوں کہا؟؟؟

جواب::: پہلے تین اصول((قرآن،سنت،اجماع))اصول مطلقہ کادرجہ رکھتے ہیں کیونکہ یہ تینوں اصول احکامات کوثابت کرتے ہیں،،قیاس اگرچہ اصول فقہ میں سے ہے لیکن وہ ان کے اعتبار سے ناقص ہے کیونکہ وہ احکامات کوثابت نہیں کرتابلکہ ظاہر کرتاہے،،قیاس اس اعتبار سے تواصل ہے کہ اس کی

جانب حکم کی نسبت کی جاتی ہے لیکن پہلے تین اصول کے اعتبار سے وہ فرع ہے لہذا ماتن نے قیاس کو فرع کہا۔۔۔۔۔

سوال::: قیاس کی تین مثالیں تحریر کریں جنھیں قرآن، سنت اور اجماع سے مستنبط کیا گیا ہو۔۔۔۔۔

جواب::: قرآن سے قیاس کے مستنبط ہونے مثال::: اللہ عزوجل نے حیض کے بارے میں ارشاد فرمایا:::

ترجمہ::: اور تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں تم فرماؤ: وہ ناپاکی ہے تو حیض کے دنوں میں عورتوں سے الگ رہو۔۔۔۔

اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں حائضہ عورتوں سے ہمبستری کرنے کو گندگی کی وجہ سے حرام قرار دیا، اس مسئلہ پہ قیاس کرتے ہوئے علماء نے لواطت کو حرام قرار دیا کیونکہ لواطت بھی گندگی کے مقام میں کی جاتی ہے۔۔۔۔۔

سنت سے قیاس کے مستنبط ہونے کی مثال::: حدیث میں چھ چیزوں ((گندم، جو، کھجور، نمک، سونا، چاندی)) کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کی بیع ہم جنس کے ساتھ کی جائے گی تو برابر برابر اور ہاتھوں ہاتھ کرنی ہو گی اس میں کمی زیادتی اور ادھار ناجائز ہے ((احناف کے نزدیک حرمت کی علت جنس مع القدر ہے)) یہی علت چونے میں بھی پائی جا رہی ہے کہ جب اس کی بیع ہم جنس سے کی جائے تو ہاتھوں ہاتھ اور برابر برابر کرنی ہے،، پس چونے کی حرمت کو ان چھ چیزوں کی حرمت پہ قیاس کر دیا۔۔۔۔۔

اجماع سے قیاس کے مستنبط ہونے کی مثال::: اس بات پہ علماء کا اجماع ہے کہ وہ لونڈی جس کے ساتھ وطی کر لی گئی ہو اس کی ماں سے وطی کرنا حرام ہے کیونکہ لونڈی کے ساتھ وطی ہو چکی ہے،، پس علماء نے زانیہ کی ماں سے وطی کرنے کو اس مسئلہ پہ قیاس کرتے ہوئے حرام قرار دیا۔۔۔۔

سوال::: اصول فقہ کی تعریف اور فوائد و قیودات بیان کریں۔۔۔۔

جواب:::

تعریف::: اصول فقہ ان قواعد کا علم ہے جن کے ذریعے تحقیقی طور پر فقہ تک پہنچا جاتا ہے،، یعنی اصول فقہ ان قضایا کلیہ کا نام ہے جن کے ذریعے فقہ تک توصل قریب حاصل ہو۔۔۔۔۔

فوائد وقیودات::: ""توصل قریب"" کی قید اس لیے لگائی تاکہ علوم عربیہ اور علم الکلام خارج ہو جائیں کیونکہ ان کے ذریعے فقہ تک توصل قریب حاصل نہیں ہوتا بلکہ توصل بعید حاصل ہوتا ہے((یعنی علوم عربیہ اور علم الکلام کے ذریعے فقہ تک بالواسطہ پہنچا جاتا ہے جبکہ اصول فقہ کے ذریعے بلاواسطہ پہنچا جاتا ہے))۔۔۔۔

""علی وجہ التحقیق"" کہنے سے علم خلاف اور علم جدل((یعنی علم مناظرہ))خارج ہوگیا،، اگرچہ علم مناظرہ ان قواعد پہ مشتمل ہوتا ہے جو فقہ کے مسائل تک پہنچاتے ہیں لیکن ان کا مقصد مدمقابل کو الزام دینا ہوتا ہے نہ کہ تحقیقی طور پر فقہ تک پہنچانا۔۔۔۔

سوال::: اصول فقہ کی تعریف میں قضایا کلیہ سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب::: قضایا کلیہ سے مراد مسائل فقہ پہ دی جانے والی دلیل کے دو مقدموں سے ایک مقدمہ ہے،، یوں کہ لیں کہ شکل اول کا کبری قضایا کلیہ ہوتا ہے۔۔۔

سوال::: کیا اصول فقہ کے مسائل میں ہر جگہ قضیہ کلیہ ذکر کیا جاتا ہے؟؟؟

جواب::: بعض اوقات یہ بعینہ دلیل میں مذکور نہیں ہوتا بلکہ ضمنا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔۔۔

سوال::: ادلہ شرعیہ کب حکم کو ثابت کرتی ہیں؟؟؟

جواب::: ان سے تب حکم ثابت ہوگا جب مندرجہ ذیل تین شرائط پائی جائیں:::

(1)وہ دلیل منسوخ نہ ہو۔۔۔

(2)دلیل کا کوئی مساوی معارض نہ پایا جائے۔۔۔

(3) کسی مجتہد کی رائے اس تک پہنچ چکی ہو اگر وہ دلیل مجتہدین کے اجماع کے خلاف ہوگی تو باطل ہو جائے گی۔۔۔

سوال::: کیا تقلید اور استفتاء کی ابحاث اصول فقہ میں شامل ہوں گی؟؟؟

جواب::: اگر ""یتوصل بھاالیہ"" سے محض مجتہد کو مراد لیا جائے تو اصول فقہ کی تعریف یوں ہوگی کہ اصول فقہ ان قواعد کا نام ہے جن کے ذریعے مجتہد فقہ تک پہنچے اور اس صورت میں تقلید واستفتاء کی ابحاث اصول فقہ میں شامل نہیں ہوں گی۔۔۔۔

اگر یہ قول ""یتوصل بھاالیہ"" مجتہد اور مقلد دونوں کے لیے مانا جائے تو اس صورت میں مجتہد کا قول مقلد کے لیے دلیل ہوگا اور تقلید واستفتاء کی مباحث کو اصول فقہ میں شامل کیا جائے گا۔۔۔۔

سوال::: اصول فقہ کا موضوع کیا ہے؟؟؟

جواب::: اصول فقہ کا موضوع ادلہ شرعیہ اور احکام ہیں،، اس علم میں ادلہ شرعیہ کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جاتی ہے اس حیثیت سے کہ یہ احکامات کو ثابت کرتے ہیں اور احکام کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جاتی ہے اس اعتبار سے احکام ان دلائل سے ثابت ہوتے ہیں۔۔۔۔

سوال::: ادلہ کے عوارض ذاتیہ کتنے اور کون سے ہیں؟؟؟

جواب::: تین ہیں:::

(1)مبحوث عنہا

(2)لحوق مبحوث عنہا

(3)نہ مبحوث عنہا اور نہ ہی لحوق مبحوث عنہا

یہی عوارض حکم کے بھی ہیں۔۔۔

سوال::: اگر اصول فقہ سے مراد فقط ادلہ شرعیہ کو جاننا ہو تو کیا احکامات اس میں داخل ہوں گے؟؟؟

جواب::: اگر اصول فقہ سے مراد فقط ادلہ کو جاننا ہو تو اس سے احکامات اور اس کے متعلقات خارج ہو جائیں گے۔۔۔۔

سوال::: آپ نے کہا کہ دلائل سے حکم کو ثابت کیا جاتا ہے،، یہاں حکم سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب::: اگر حکم سے مراد ""خطاب اللہ"" ہے تو اس کو ثابت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دلائل اللہ پاک کے حکم کو ہمارے علم میں ثابت کر رہے ہوتے ہیں یہ مطلب نہیں کہ دلائل اللہ پاک کے حکم کو عدم سے وجود میں لاتے ہیں۔۔۔

اگر حکم سے مراد ""خطاب اللہ کا اثر"" ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر دلیل ہر حکم کے بارے میں ہمارے غلبہ ظن کو ثابت کرتی ہے۔۔۔

سوال::: کیا ایک علم کے لیے ایک سے زائد موضوعات ہوسکتے ہیں؟؟؟

جواب::: جی ہوسکتے ہیں مثلاً علم طب میں بدن انسانی اور ادویہ دونوں سے بحث کی جاتی ہے تو ثابت ہوا ایک علم کے دو موضوع ہوسکتے ہیں۔۔۔۔

مصنف اس قول کو مطلقاً درست نہیں مانتے ان کے نزدیک اس میں کچھ تفصیل ہے،، مذکورہ بالا مثال کا رد فرماتے ہیں کہ علم طب میں ادویات کے بارے میں اس اعتبار سے بحث کی جاتی ہے کہ یہ انسان کے لیے درست ہیں یا نہیں؟؟؟ اصل موضوع بدن انسانی ہی ہے۔۔۔

سوال::: کیا ایک چیز دو علوم کا موضوع بن سکتی ہے؟؟؟

جواب::: مشہور یہ ہے کہ ایک چیز دو علوم کا موضوع نہیں بن سکتی لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ ایک چیز دو علوم کا موضوع بن سکتی ہے بلکہ ایسا ہوا بھی ہے۔۔۔

سوال::: آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ ایک چیز دو علوم کا موضوع بن سکتی ہے؟؟؟

جواب::: بعض اوقات ایک چیز کے مختلف اعراض ہوتے ہیں تو ایک عرض سے ایک علم ثابت ہو رہا ہوتا ہے جبکہ دوسرے عرض سے دوسرا علم ثابت ہو رہا ہوتا ہے تو یوں ایک ہی چیز دو علوم کا موضوع بن سکتی ہے،، اب ایک چیز کے مختلف اعراض ہوسکتے ہیں اس پہ دلیل اللہ پاک کی ذات ہے کہ اس کے ساتھ کئی صفات متصف ہیں اور یہ صفات اعراض ہیں تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ایک چیز کے مختلف اعراض ہوسکتے ہیں۔۔۔

سوال::: کوئی ایسی چیز بتائیں جو بیک وقت دو علوم کا موضوع بنی ہو۔۔۔

جواب::: اجسام عالم بیک وقت دو علوم کا موضوع ہیں،، شکل کے اعتبار سے علم ہیئت کا موضوع ہیں جبکہ طبعی اعتبار سے علم السماء والعالم کا موضوع ہیں۔۔۔

سوال::: مصنف نے کتاب کو کتنی انواع پہ تقسیم کیا ہے؟؟؟

جواب::: مصنف نے کتاب کو دو انواع پہ تقسیم کیا ہے:::

(1) پہلی قسم میں ادلہ شرعیہ یعنی قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کا بیان ہے۔۔۔۔

(2) دوسری قسم میں احکامات کا بیان ہے۔۔۔

سوال::: کتاب اللہ کی تعریف کریں۔۔۔

جواب::: کتاب اللہ اسے کہتے ہیں جو دو گتوں کے درمیان متواتر سے نقل ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی۔۔۔۔

سوال::: کتاب اللہ کی تعریف کے فوائد وقیودات بیان کریں۔۔۔

جواب::: جب تعریف میں دو گتوں کا ذکر کیا تو اس سے بقیہ تمام کتب، احادیث قدسیہ اور احادیث نبویہ خارج ہو گئیں۔۔۔

جب """تواترا""" کہا تو اس سے وہ قراءات خارج ہو گئیں جو شاذ ہیں۔۔۔

اعتراض::: ابن حاجب اس تعریف پہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس تعریف سے دور لازم آرہا ہے وہ اس طرح کہ قرآن کی تعریف یہ کی گئی کہ جو مصحف میں لکھا ہو یعنی اس سے ثابت ہوا قرآن کا سمجھنا مصحف پہ موقوف ہے اور اگر مصحف کی تعریف پوچھی جائے تو اس کا جواب ہوگا کہ جس میں قرآن لکھا جائے اسے مصحف کہتے ہیں اس صورت میں مصحف کا سمجھنا قرآن پہ موقوف ہوگا،، تو یوں دور لازم آئے گا۔۔۔

جواب::: یہ دور تب لازم آتا جب مصحف کی تعریف کی جاتی جبکہ یہاں مصحف کی تعریف کی حاجت ہی نہیں بلکہ سب اس کے بارے میں جانتے ہیں۔۔۔

اسی اعتراض کا ایک دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں قرآن کی تعریف سے مراد تعریف بالرسم ہے نہ کہ تعریف بالحد،، دور تب لازم آتا جب یہاں تعریف بالحد کی جاتی۔۔۔

ایک وضاحت::: مذکورہ بالا اعتراض کے دوسرے جواب کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ تعریف کی دو اقسام ہیں:::

(1)تعریف بالحد

اس میں معرف کی ماہیت وحقیقت کو بیان کیا جاتا ہے اور جنس وفصل کا ذکر کیا جاتا ہے-----

(2)تعریف بالرسم

اس میں معرف کے مشخصات کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ وہ دوسروں سے ممتاز ہو جائے---

قرآن کریم کی جب تعریف پہ غور کیا تو معلوم ہوا یہ تعریف بالحد نہیں بلکہ تعریف بالرسم ہے یعنی اس میں قرآن مجید کی حقیقت بیان نہیں ہو رہی بلکہ اس کی تعیین کی جا رہی ہے کیونکہ لفظ قرآن دو معانی میں مشترک ہے،،قرآن کا اطلاق کلام ازلی پہ کیا جاتا ہے جو اللہ پاک کی صفت ہے اور اس کا اطلاق کلام لفظی پہ بھی کیا جاتا ہے جو کلام ازلی پہ دلالت کرتا ہے،،چونکہ یہاں قرآن دو معانی میں مشترک تھا اس لیے قرآن کریم کی تعریف کرکے بتایا کہ یہاں قرآن سے مراد کلام لفظی ہے یعنی کلام لفظی کو کلام ازلی سے ممتاز کیا گیا اور جس تعریف میں معرف کو دوسرے سے ممتاز کیا جائے اسے تعریف بالرسم کہتے ہیں----

جب اس تمہید سے یہ ثابت ہوا کہ یہاں تعریف بالرسم کی گئی ہے تو تعریف بالرسم میں تمام اجزاء کی تعریف نہیں کی جاتی لہذا مصحف کی تعریف کرنے کی ضرورت نہیں اور اس سے دور بھی لازم نہیں آرہا،،دور تب لازم آتا جب یہ تعریف بالحد ہوتی------

سوال::: کیا قرآن کریم کی تعریف بالحد کی جاسکتی ہے؟؟؟

جواب::: قرآن کریم کی تعریف بالحد نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ شخصی((کی مثل))ہے اور شخصی کی تعریف بالحد نہیں کی جاسکتی----

سوال::: شخصی کی تعریف بالحد کیوں نہیں کی جاسکتی؟؟؟

جواب::: تعریف بالحد وہ ہوتی ہے جس میں کسی چیز کی حقیقت وماہیت کو بیان کیا جاتا ہے اور یہ تعریف اس شے کے تمام اجزاء پہ مشتمل ہوتی ہے جبکہ شخصی کے اجزاء ہی نہیں ہوتے بلکہ اس کی تعریف اس کے مشخصات کے ذریعے کی جاتی ہے۔۔۔۔

سوال::: ابن حاجب نے قرآن کریم کی کیا تعریف کی ہے؟؟؟ کیا ابن حاجب کی تعریف سے بھی دور لازم آتا ہے؟؟؟

جواب::: ابن حاجب نے قرآن کریم کی تعریف کی ہے:::

الکلام المنزل للاعجاز بسورۃ منہ

ترجمہ::: قرآن وہ کلام ہے جو اپنی سورت کے ساتھ اعجاز کے لیے نازل کیا گیا۔۔۔۔

اگر اس تعریف سے مراد تعریف بالحد لی جائے تو اس تعریف سے بھی دور لازم آتا ہے کیونکہ تعریف بالحد میں ایک ایک جزء کی تعریف کی جاتی ہے،، ابن حاجب کی تعریف میں لفظ سورت بھی موجود ہے اور اگر سورت کی تعریف کا پوچھا جائے تو اس کا جواب یوں دیا جائے گا کہ قرآن کے بعض حصے کو سورت کہا جاتا ہے تو اس سے ثابت ہوگا کہ قرآن کا سمجھنا سورت پہ موقوف ہے اور سورت کا سمجھنا قرآن پہ موقوف ہے۔۔۔

لیکن اگر اس تعریف سے تعریف بالرسم مراد لی جائے تو دور لازم نہیں آتا۔۔۔

سوال::: مصنف نے کتاب اللہ کی ابحاث کو کتنے اور کون سے ابواب میں بیان کیا ہے؟؟؟

جواب::: مصنف نے کتاب اللہ کی ابحاث کو دو معانی میں بیان کیا ہے:::

(1) پہلے باب میں یہ بیان کیا ہے کہ کتاب اللہ سے معنی کا فائدہ کیسے حاصل ہوتا ہے؟؟؟

(2) دوسرے باب میں یہ بیان کیا ہے کہ کتاب اللہ سے شرعی حکم کیسے ثابت ہوگا؟؟؟

سوال::: مصنف نے معنی کی بحث کو حکم کی بحث پہ مقدم کیوں کیا؟؟؟ چاہیے تو یہ تھا کہ حکم کی بحث مقدم کرتے کیونکہ اصول فقہ کا مقصد حکم کا فائدہ دینا ہے۔۔۔۔

جواب::: یہاں اصلی مقصد تو حکم کا فائدہ دینا ہے لیکن یہ فائدہ تب حاصل ہوگا جب معنی معلوم ہوگا اس لیے معنی کی بحث کو مقدم کیا۔۔۔۔

سوال::: قرآن نظم یعنی الفاظ کو کہتے ہیں یا معنی کو؟؟؟

جواب::: قرآن اس نظم کا نام ہے جو معنی پہ دلالت کرتا ہے۔۔۔

سوال::: نظم سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب::: نظم کا مطلب ہے ""لفظ""،، یہاں مصنف نے لفظ کی بجائے نظم کو استعمال کیا کیونکہ لفظ کا لغوی معنی ہے ""پھینکنا"" اور اس کو قرآن کریم کے لیے استعمال کرنا مناسب نہیں تھا اس لیے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے مصنف نے لفظ کی بجائے نظم کا استعمال کیا۔۔۔۔

اعتراض::: آپ کا یہ کہنا کہ قرآن نظم کا نام ہے جو معنی پہ دلالت کرتا ہے درست نہیں،، کیونکہ امام اعظم نے نماز میں فارسی میں قرات کرنے کی اجازت دی ہے تو ان کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن محض معنی کو کہتے ہیں۔۔۔

جواب::: اس کے دو جوابات ہیں:::

(1) امام اعظم نے یہ اجازت صرف نماز میں دی ہے اس کے علاوہ انہوں نے نظم و معنی دونوں کا لحاظ کیا ہے اسی وجہ سے انہوں نے جنبی اور حائضہ کے لیے فارسی میں قرآن کریم پڑھنے کی اجازت دی ہے،، اگر قرآن صرف معنی کا نام ہوتا تو امام اعظم کبھی یہ اجازت نہ دیتے۔۔۔۔

(2) دوسرا جواب یہ ہے کہ امام اعظم اپنے اس قول سے رجوع کر چکے ہیں۔۔۔

پس ثابت ہوا کہ قرآن اس نظم کو کہتے ہیں جو معنی پہ دلالت کرے۔۔۔

سوال::: آپ نے کہا کہ قرآن اس نظم کا نام ہے جو معنی پہ دلالت کرتا ہے جبکہ مشائخ نے کہا ہے کہ قرآن نظم و معنی دونوں کے مجموعے کا نام ہے،، آپ کی تعبیر مشائخ کی تعبیر کے خلاف ہے۔۔۔

جواب::: یہاں محض تعبیر کا فرق ہے ورنہ مشائخ کی مراد بھی یہی ہے کہ قرآن اس نظم کو کہتے ہیں جو معنی پہ دلالت کرتا ہے۔۔۔

سوال::: مشترک کی تعریف کریں۔۔۔

جواب::: اگر ایک لفظ کثیر معانی کے لیے متعدد طور پر وضع کیا گیا ہو تو اسے مشترک کہتے ہیں مثلا:::
عین

لفظ عین کو کبھی سونے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کبھی آنکھ کے لیے اور کبھی میزان العین کے لیے۔۔۔۔

سوال::: عام کی تعریف اور فوائد وقیودات بیان کریں۔۔۔

جواب::: فالعام لفظ وضع وضعا واحدا الکثیر غیر محصور مستغرق جمیع مایصلح لہ

ترجمہ::: عام وہ لفظ ہے جسے وضع واحد کے ساتھ کثیر غیر محصور افراد کے لیے وضع کیا جائے اور وہ ان تمام افراد کو شامل ہو جن کی وہ صلاحیت رکھتا ہے۔۔۔

فوائد وقیودات::: جب ""وضعا واحدا کہا تو مشترک اس سے خارج ہو گیا،،جب ""الکثیر"" تو اس سے وہ تمام الفاظ نکل گئے جو کثیر افراد کے لیے وضع نہیں کیے گئے مثلا زید، عمرو وغیرہ،،جب ""غیر محصور"" کہا تو اس سے اسماء اعداد خارج ہو گئے مثلا ایک سو،،اگرچہ ""ایک سو"" کثیر افراد کے لیے وضع کیا گیا ہے لیکن یہ محصور ہے،،جب ""مستغرق جمیع مایصلح لہ"" کہا تو اس سے جمع منکر خارج ہو گئی۔۔۔

سوال::: جمع منکر کسے کہتے ہیں؟؟؟

جواب::: اگر ایک لفظ وضع واحد کے ساتھ کثیر غیر محصور افراد کے لیے وضع کیا گیا ہو اور وہ ان تمام افراد کو شامل نہ ہو جن کی وہ صلاحیت رکھتا ہے تو اسے جمع منکر کہا جائے گا۔۔۔۔

سوال::: خاص کی تعریف کریں۔۔۔

جواب::: اگر کوئی لفظ وضع واحد کے ساتھ کثیر محصور افراد کے لیے وضع کیا گیا ہو یا صرف ایک معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو تو اسے خاص کہیں گے،،اب یہ ایک معنی شخص کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے مثلا زید اور نوع کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے مثلا رجل۔۔۔

سوال::: مشترک کے معانی میں سے اگر کوئی ایک معنی ترجیح پا جائے تو اسے کیا نام دیں گے؟؟؟

جواب::: مشترک کے معانی میں سے اگر کوئی ایک معنی ترجیح پا جائے تو اسے مؤول کہیں گے۔۔۔

سوال::: مصنف نے مؤول کو لفظ کی معنی کے لیے وضع کے اعتبار سے تقسیم میں شامل کیوں نہیں کیا؟؟؟

جواب::: مصنف نے مؤول کو اس تقسیم میں شامل نہیں کیا کیونکہ یہ وضع کے اعتبار سے لفظ کی قسم نہیں بنتا بلکہ مجتہد کی رائے کے اعتبار سے بنتا ہے یعنی مجتہد غور وفکر کر کے مشترک کے کسی ایک معنی کو

ترجیح دیتا ہے تو اس کا تعلق مجتہد کی رائے سے ہے نہ کہ لفظ کی وضع سے،، اس لیے اسے مصنف نے اس تقسیم میں شامل نہیں کیا۔۔۔

سوال::: اسم ظاہر کی تقسیم بیان کریں۔۔۔

جواب::: اسم ظاہر کی تقسیم سے آٹھ اقسام حاصل ہوتی ہیں:::

(1)صفت

اگر اسم ظاہر کا معنی بعینہ اس کے مشتق منہ کے مطابق ہو اور اس کا وزن مشتق والا ہو۔۔۔

(2)علم

وہ اسم ظاہر جس کا معنی مشتق منہ والا نہ ہو اور اس کا وزن بھی مشتق والا نہ ہو البتہ وہ معنی معین ہو۔۔۔

(3)اسم جنس

وہ اسم ظاہر جس کا معنی اور وزن مشتق منہ اور مشتق جیسا نہ ہو اور نہ ہی وہ معین ہو۔۔۔

(4)مطلق

صفت اور اسم جنس کا معنی اگر بغیر کسی قید کے مراد لیا جائے تو اسے مطلق کہتے ہیں۔۔۔

(5)مقید

اگر صفت اور اسم جنس کا معنی مراد لینے میں کوئی قید لگائی جائے تو وہ مقید کہلائے گا۔۔۔

(6)عام

وہ صفت یا اسم جنس جو اپنے تمام افراد کو شامل ہو۔۔۔

(7)معرفہ یا معہود

وہ صفت یا اسم جنس جو عند الاطلاق سامع کے لیے معین ہو۔۔۔

(8)نکرہ

وہ صفت یا اسم جنس جو عند الاطلاق سامع کے لیے غیر معین ہو۔۔۔

سوال::: معرف اور نکرہ کے لیے ""عند الاطلاق للسامع"" کی قید کیوں لگائی گئی؟؟؟

جواب::: معرف اور نکرہ کی تعیین کا دارومدار وضع پر نہیں بلکہ سامع پہ ہے اس لیے عند الاطلاق للسامع کی قید لگائی گئی مثلا:::متکلم اگر کہے جاءنی رجل

میرے پاس ایک مرد آیا تو اب یہ مرد متکلم کے نزدیک معرفہ ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ میرے پاس کون آیا جبکہ یہ شخص سامع کے لیے نکرہ ہے کیونکہ وہ اسے نہیں جانتا تو اس لیے یہاں سامع کا اعتبار کرتے ہوئے یہ قید لگائی گئی۔۔۔۔

سوال::: اب تک جن اقسام کا ذکر گزرا کیا ان میں کسی قید کا لحاظ رکھنا ضروری ہے؟؟؟

جواب::: جی ہاں،،ان تمام اقسام میں حیثیت کی قید کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔۔۔

سوال::: سابقہ اقسام میں حیثیت کی قید کا لحاظ رکھنا کیوں ضروری ہے؟؟؟

جواب::: حیثیت کی قید کا لحاظ ضروری ہے کیونکہ اس کی دو اقسام ہیں:::

(1)کچھ حیثیات ایسی ہوتی ہیں جن میں منافات ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔۔۔

مثلا:::عام اور خاص،،یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں کیونکہ عام کثیر غیر محصور افراد کے لیے ہوتا ہے جبکہ خاص کثیر محصور یا محض ایک فرد کے لیے وضع کیا جاتا ہے۔۔۔۔

(2)کچھ حیثیات ایسی ہوتی ہیں جن میں منافات نہیں پائی جاتی لہذا وہ ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہوجاتی ہیں۔۔۔

مثلا::: عام اور مشترک،،ان دونوں میں کوئی منافات نہیں اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہوسکتی ہیں،،جیسا کہ لفظ ""عین"" وہ اس حیثیت سے مشترک ہے کیونکہ اس کی وضع متعدد معانی کے لیے ہوئی ہے اور اس حیثیت سے عام ہے کیونکہ وہ کثیر غیر محصور افراد کے لیے ہے۔۔۔

سوال::: خاص کا کیا حکم ہے؟؟؟مع مثال بیان کریں۔۔۔

جواب::: خاص کا حکم یہ ہے کہ وہ خاص ہونے کی حیثیت سے حکم کو قطعی طور پر واجب کرتا ہے۔۔۔

مثلا:::زید عالم

یہاں پہ زید خاص ہے اس سے ایک متعین شخص پہ دلالت ہو رہی ہے اور علم بھی خاص ہے کیونکہ اس سے ایک معین معنی پہ دلالت ہو رہی ہے۔۔۔۔

سوال::: خاص ہونے کی حیثیت سے کیا مراد ہے؟؟؟

جواب::: خاص ہونے کی حیثیت سے مراد یہ ہے کہ اس کا کوئی معارض نہ پایا جائے اور وہ موانع سے خالی ہو۔۔۔۔

سوال::: کیا خاص میں احتمال پایا جاتا ہے؟؟؟

جواب::: اس کے جواب سے پہلے یہ بات جان لیں کہ احتمال کی دو اقسام ہیں:::

(1)وہ احتمال جو ناشی عن دلیل ہو یعنی دلیل سے پیدا ہو۔۔۔۔

(2)وہ احتمال دلیل سے پیدا نہ ہو۔۔۔۔

پس وہ احتمال جو دلیل سے پیدا نہیں ہوتا وہ خاص میں پایا جا سکتا ہے البتہ وہ احتمال جو دلیل سے پیدا ہوتا ہے وہ خاص میں نہیں پایا جا سکتا۔۔۔۔

سوال::: آیت ""والمطلقات یتربصن بانفسھن اربعۃ ثلاثۃ قروء"" میں قروء کا کیا مطلب ہے؟؟؟ اس میں احناف اور شوافع کا کیا اختلاف ہے تفصیل سے بیان کریں۔۔۔

جواب::: لفظ ""قروء"" حیض اور طہر کے درمیان مشترک ہے،،امام شافعی یہاں قروء سے طہر مراد لیتے ہیں لہذا ان کے نزدیک مطلقہ عورت کی عدت تین طہر ہو گی جبکہ احناف یہاں حیض مراد لیتے ہیں اور ان کے نزدیک مطلقہ عورت کی عدت تین حیض ہو گی۔۔۔۔

امام شافعی کا رد::: ہم امام شافعی کا رد کرتے ہیں کہ اگر یہاں طہر مراد لیا جائے تو خاص کا موجب باطل ہو جائے گا اور وہ ""ثلاثۃ"" ہے،، تفصیل سے یہ ہے کہ جس طہر میں عورت کو طلاق دی جائے گی کیا اس طہر کو عدت میں شامل کیا جائے گا یا نہیں؟؟؟ اگر طلاق والے طہر کو عدت میں شامل نہیں کیا جائے گا تو عورت کی عدت تین طہر اور طلاق والے طہر کے کچھ حصے پہ مشتمل ہو گی تو یوں لفظ ""ثلاثۃ"" پہ عمل نہیں کیا گیا،،اگر طلاق والے طہر کو عدت میں شمار کیا جائے

گا تو عورت کی عدت دو مکمل طہر اور ایک نصف طہر پہ مشتمل ہو گی پس اس صورت میں بھی خاص پہ عمل نہیں کیا گیا لہذا یہاں قروء سے مراد طہر نہیں بلکہ حیض ہے۔۔۔۔۔

اعتراض::: آپ نے کہا اگر طلاق والے طہر کو عدت میں شامل کیا گیا تو عدت کا دو طہر اور ایک بعض طہر پہ مشتمل ہونا لازم آئے گا جس سے خاص پہ عمل نہیں ہو سکے گا حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ وہ بعض طہر بھی مکمل طہر کے قائم مقام ہو گا وہ ادنی مقدار جس پہ طہر کا اطلاق ہوتا ہے وہ ایک ساعت ہے تو ثابت ہوا جس طہر میں طلاق ہوئی وہ بھی ایک طہر ہی کہلائے گا۔۔۔۔

جواب::: بعض طہر کو مکمل طہر کے قائم مقام نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر بعض طہر کو مکمل طہر قرار دے دیا جائے تو پھر پہلے اور تیسرے طہر میں کوئی فرق نہیں رہے گا اور اس صورت میں عدت دو مکمل طہر اور ایک بعض طہر پہ مشتمل ہو گی جو کہ اجماع کے خلاف ہے۔۔۔۔

سوال::: خلع کے بارے میں احناف اور شوافع کا کیا اختلاف ہے؟؟؟ تفصیل مع دلائل بیان کریں۔۔۔

جواب::: احناف کے نزدیک خلع ایک طلاق ہے جبکہ شوافع کے نزدیک اس سے نکاح فسخ ہوتا ہے۔۔۔۔

جانبین کی دلیل ایک ہی آیت ہے،، پہلے شوافع کا مؤقف مع دلیل ملاحظہ کریں:::

ترجمہ::: طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا اچھے طریقے سے چھوڑ دینا ہے۔۔۔

یہاں تک اللہ پاک نے دو رجعی طلاقوں کا مسئلہ بیان فرمایا اور اس کے بعد خلع کا ذکر ان الفاظ میں کیا :::

ترجمہ::: تو اگر تمہیں خوف ہو کہ میاں بیوی اللہ کی حدوں کو قائم نہ کر سکیں گے تو ان پر اُس (مالی معاوضے) میں کچھ گناہ نہیں جو عورت بدلے میں دے کر چھٹکارا حاصل کر لے، یہ اللہ کی حدیں ہیں، ان سے آگے نہ بڑھو۔۔۔

اس کے بعد اللہ پاک نے ایک اور طلاق کا ذکر فرمایا:::

ترجمہ::: پھر اگر شوہر بیوی کو (تیسری) طلاق دیدے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں۔۔۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ ""فان طلقھا"" کا تعلق ""الطلاق مرتان"" سے ہے اور درمیان میں خلع کا ذکر جملہ معترضہ ہے اور خلع نکاح کو فسخ کردیتا ہے اگر خلع کو طلاق مانا جائے تو طلاقوں کا چار ہونا لازم آئے گا((الطلاق مرتان سے دو طلاقیں، تیسری طلاق خلع والی اور چوتھی طلاق ""فان طلقھا"" والی))۔۔۔۔

احناف کہتے ہیں کہ ""فان طلقھا"" میں فاء لفظ خاص ہے جو کہ تعقیب کے لیے وضع کیا گیا ہے یعنی اس کا مابعد اس کے ماقبل پہ مرتب ہے،، ""فان طلقھا"" کا خلع والی آیت پہ مرتب ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خلع کے بعد طلاق دی جاسکتی ہے اور اسی صورت میں ہوگا جب خلع کو ایک طلاق مانا جائے اگر خلع کو فسخِ نکاح مانا جائے تو قرآن کے خاص پہ عمل نہیں ہوسکتا کیونکہ نکاح فسخ ہونے کے بعد طلاق نہیں دے جاسکتی۔۔۔۔

اعتراض::: اگر خلع کو طلاق مانا جائے تو طلاقوں کا چار ہونا لازم آئے گا۔۔۔

جواب::: اس سے طلاقوں کا چار ہونا لازم نہیں آئے گا،، خلع اگرچہ طلاق ہے لیکن اس کو ""الطلاق مرتان"" میں شامل کیا گیا ہے گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ طلاق رجعی دو ہیں چاہے وہ مال کے بغیر ہوں یا خلع کے ضمن میں ہوں یعنی مال کے ساتھ ہوں،، پس اس سے چار طلاقوں کا ہونا لازم نہیں آتا۔۔۔۔

سوال::: عبارت ""وفی تخصیص فعلھا"" سے مصنف کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟؟؟

جواب::: قرآن کریم میں فدیہ کو عورت کے ساتھ خاص کیا گیا جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان ہے ""فیما افتدت بہ"" فدیے کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز کے بدلے دوسری چیز لی جائے تو یہاں عورت مرد کو فدیہ دے رہی ہے اور مرد عورت کو خلع((یعنی طلاق)) دے رہا ہے،، اگر خلع کو فسخِ نکاح مان لیا جائے تو کتاب اللہ پہ زیادتی لازم آئے گی کیونکہ فسخ کا تعلق مرد و عورت دونوں سے ہوتا ہے،، قرآن کریم میں فدیے کا تعلق محض عورت کے ساتھ خاص کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خلع سے فسخِ نکاح مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد طلاق ہے۔۔۔۔

سوال::: وہ عورت جس کا حق مہر بیان نہ کیا گیا ہو یا اس سے اس شرط پہ نکاح کیا گیا ہو کہ اس کا کوئی حق مہر نہیں تو اس کا حق مہر کس وقت واجب ہوگا؟؟؟ اختلاف آئمہ مع دلائل بیان کریں۔۔۔

جواب::: شوافع کا اس مسئلہ میں یہ مؤقف ہے کہ اس عورت کا مہر زوجین میں سے کسی ایک کی موت کے وقت واجب ہوگا اور اکثر شوافع اس بات کے قائل ہیں کہ دخول کے بعد مہر واجب ہوگا۔۔۔

احناف کا مؤقف::: یہاں دو چیزیں پائی جارہی ہیں ایک ہے مہر کا واجب ہونا اور ایک ہے ادائیگی کا واجب ہونا،، مہر کا وجوب نفس عقد کے ساتھ ہی ہوجائے گا کیونکہ قرآن مجید میں اللہ پاک کا فرمان ہے ""ان تبتغوا باموالکم"" کہ تم ان کو مالوں کے ذریعے تلاش کرو،، یہاں ""باء"" لفظ خاص ہے اور اس کو ابتغاء کے ساتھ جوڑا گیا ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ عقد کے وقت حق مہر بیان نہ کیا ہو پھر بھی مہر کا وجوب عقد کے وقت ہی ہوجاتا ہے،، باقی رہی بات ادائیگی کے واجب ہونے کی تو وہ دخول کے بعد یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت کے وقت لازم ہوگی۔۔۔۔

خلاصہ کلام یہ کہ شوافع کے نزدیک ایسی عورت کا حق مہر زوجین کی موت کے وقت یا دخول کے بعد واجب ہوگا اور احناف کے نزدیک مہر تو عقد کے ساتھ ہی واجب ہوجائے گا البتہ اس کی ادائیگی موت کے وقت یا دخول کے بعد واجب ہوگی۔۔۔

سوال::: کیا حق مہر کی کوئی مقدار شریعت کی جانب سے مقرر کی گئی ہے؟؟؟

جواب:::

شوافع کا مؤقف::: ان کے نزدیک شریعت کی جانب سے حق مہر کی کوئی بھی مقدار مقرر نہیں کی گئی بلکہ جو چیز ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اسے حق مہر بنایا جاسکتا ہے۔۔۔۔

احناف کا مؤقف اور دلیل::: احناف کے نزدیک زیادہ سے زیادہ حق مہر کی مقدار مقرر نہیں کی گئی کیونکہ اس پہ اجماع ہے البتہ کم از کم حق مہر کی مقدار ضرور مقرر کی گئی ہے اور اس پہ اللہ پاک کا فرمان دلالت کرتا ہے ""قد علمنا ما فرضنا علیھم"" یعنی یقیناً ہم جانتے ہیں جو ہم نے ان پہ مقرر کیا،، یہاں ""فرضنا"" قدّرنا کے معنی میں ہے۔۔۔

اب یہ کم از کم مقرر شدہ حق مہر کتنا ہے یہ ہمیں ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دس دراہم چوری کرنے پہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا یعنی اس حدیث سے ثابت ہورہا ہے کہ ایک انسانی عضو کی کم از کم قیمت دس دراہم ہے،، عورت کی شرم گاہ بھی ایک جسمانی عضو

ہے جسے مرد کے حوالے کردیا جاتا ہے تو اس کی کم از کم قیمت بھی دس دراہم ہونی چاہیے لہذا کم از کم دس دراہم حق مہر مقرر ہوگیا۔۔۔۔

سوال::: عام کے حکم کے بارے میں اختلاف مع دلائل تفصیل سے بیان کریں۔۔۔

جواب::: عام کے حکم کے بارے میں تین مؤقفات ہیں:::

(1)اشعریہ کا مؤقف

(2)ابو علی جبائی کا مؤقف

(3)احناف اور شوافع کا مؤقف

اشعریہ کا مؤقف::: ان کے نزدیک جب تک کوئی دلیل قائم نہ ہوجائے تب تک عام کے حکم میں توقف کیا جائے گا کیونکہ وہ مجمل ہوتا ہے،، یہ اپنے مؤقف پہ تین دلائل دیتے ہیں:::

(1)جمع کے اعداد میں اختلاف کی وجہ سے عام میں اجمال پیدا ہوتا ہے،، اگر عام جمع قلت کا صیغہ ہے تو تین سے لے کر دس تک کوئی بھی عدد مراد لیا جاسکتا ہے اور اگر عام کا صیغہ جمع کثرت کا ہے تو دس سے آگے کوئی بھی عدد مراد لیا جاسکتا ہے،، مثلاً اگر کوئی کہے ""لزید علی افلس"" تو یہاں تین سے لے کر دس تک کوئی بھی عدد مراد لینا درست ہے لہذا ثابت ہوا عام میں اجمال ہوتا ہے۔۔۔۔

(2)عام اپنے تمام معانی کو شامل نہیں ہوتا کیونکہ اس کی تاکید ""کل اور اجمع"" کے ساتھ لائی جاتی ہے اگر یہ اپنے تمام افراد کو شامل ہوتا تو اس کی تاکید ان الفاظ سے نہ لائی جاتی۔۔۔۔

(3)بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ جمع کا لفظ ذکر کرکے اس سے واحد مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ""قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم"" یہاں پہلے ناس سے مراد نعیم بن سعود یا کوئی اور اعرابی ہے((یعنی جمع ذکر کرکے واحد مراد لیا گیا)) اور دوسرے ناس سے مراد اہل مکہ ہیں۔۔۔

تو ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ عام میں اجمال ہوتا ہے لہذا جب تک کوئی دلیل قائم نہ ہو تب تک عام کے حکم میں توقف کیا جائے گا۔۔۔۔۔

ابو علی جبائی کا مؤقف::: عام کے افراد میں سے سب سے ادنیٰ ثابت ہوگا یعنی جب عام بولا جائے گا تو وہاں سب سے کم افراد مراد ہوں گے کیونکہ وہ یقینی ہوتے ہیں مثلا::: اگر عام جمع کا لفظ ہے تو تین افراد مراد ہوں گے کیونکہ جمع میں تین کا پایا جانا یقینی ہے،، اسی وجہ سے اگر کسی شخص نے کہا ""لفلان علی دراھم"" تو اس کے اوپر کم از کم تین دراہم بالاجماع لازم ہوں گے۔۔۔

ابو علی جبائی کا رد::: ابو علی جبائی کی یہ دلیل درست نہیں یہاں تین افراد اس لیے مراد لیے گئے کیونکہ تمام افراد کو مراد لینا ممکن نہیں گویا کہ تین افراد کو مراد لینے پہ قرینہ پایا جارہا ہے جبکہ ہماری بحث اس عام کے بارے میں ہے جس میں کوئی قرینہ نہ ہو۔۔۔۔۔

احناف اور شوافع کا مؤقف::: ان کے نزدیک عام اپنے کل افراد میں حقیقت ہوتا ہے اور بعض افراد میں یہ مجازا دلالت کرتا ہے جس کی طرف قرینے کے بغیر نہیں جاسکتے۔۔۔

سوال::: کیا خبر واحد اور قیاس کے ذریعے عام کی تخصیص کی جاسکتی ہے؟؟؟

جواب:::

امام شافعی کا مؤقف اور دلیل::: امام شافعی کے نزدیک عام ایسی دلیل ہے جس میں شبہ پایا جاتا ہے اور جس دلیل میں شبہ پایا جائے وہ ظنی ہوتی ہے تو ثابت ہوا عام ایک ظنی چیز ہے،، جب عام کا ظنی ہونا ثابت ہوگیا تو خبر واحد اور قیاس کے ذریعے اس میں تخصیص کرنا بھی جائز ہے۔۔۔۔

احناف کا مؤقف اور دلیل::: احناف کے نزدیک عام ایک دلیل قطعی ہے اور خاص کے مساوی ہے یعنی عام اپنے تمام افراد کو قطعی طور پر شامل ہوتا ہے لہذا خبر واحد یا قیاس کے ذریعے اس کی تخصیص نہیں کی جاسکتی۔۔۔

سوال::: قصر العام علی البعض کیا ہے؟؟؟ وضاحت کریں۔۔۔

جواب::: عام کو اس کے بعض افراد کے ساتھ خاص کردینا قصر العام علی البعض کہلاتا ہے،، جو چیز عام کو خاص بناتی ہے وہ یا تو غیر مستقل ہوتی ہے یا مستقل ہوتی ہے۔۔۔

غیر مستقل کی مزید آگے چار اقسام ہیں:::

(1) استثناء

(2)شرط

(3)صفت

(4)غایت

اگر عام کو بعض افراد کے ساتھ خاص کرنے والی چیز مستقل ہوئی تو اس میں مزید دو احتمال ہیں یا وہ کلام ہوگی یا غیر کلام ہوگی اگر غیر کلام ہوگی تو پھر پانچ صورتیں بنتی ہیں:::

(1)وہ چیز عقل ہے۔۔۔

(2)وہ چیز حس ہے۔۔۔۔

(3)وہ چیز عادت ہے۔۔۔۔

(4)وہ چیز ناقص ہے۔۔۔۔

(5)وہ چیز زائد ہے۔۔۔۔

اگر عام کو خاص کرنے والی چیز غیر مستقل ہوئی تو عام اپنے بقیہ افراد میں حقیقت ہوگا اگر وہ شے مستقل ہوئی تو عام اپنے بقیہ افراد میں ایک اعتبار سے حقیقت ہوگا اور دوسرے اعتبار سے مجاز ہوگا((یعنی ایک حیثیت سے وہ مجاز ہوگا اور ایک حیثیت سے حقیقت ہوگا))۔۔۔۔